آتشِ گُل

انجم کلیمی نوابی

شعری مجموعہ

آتش گل

پاؤں رکھو گے تو جل جاؤ گے تم اے انجم
آتش گل سے دہک اٹھا ہے گلشن سارا

شیخ محمد الیاس انجم کلیمی نوابی

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

نام کتاب	:	آتش گل
نام مصنف	:	شیخ محمد الیاس
تخلص	:	انجم کلیمی نوابی
کمپوزنگ	:	یاور وارثی عزیزی نوابی
		اسمائل کمپیوٹر گرافکس، چمن گنج کانپور (یوپی) انڈیا
		موبائل نمبر 09455306981
تعداد	:	500 پانچ سو
صفحات	:	176
ناشر	:	دبستان نوابیہ عزیزیہ پبلیکیشنز
		dabistanenawwabiya@gmail.com
		www.dabistanenwwabiya.com
قیمت	:	Rs. 200/-
سن اشاعت	:	2020

ملنے کا پتہ

آستانۂ عالیہ نوابیہ

قاضی پور شریف، پوسٹ منڈوم ضلع فتحپور، بسوم، یوپی (انڈیا) پن کوڈ : 212653

برائے رابطہ :- 9415494492 - 9726880001

9426268823 - 8866222412

انتساب

میں اپنا مجموعۂ کلام

پیر طریقت رہبر شریعت مخدوم ملت سر چشمہ علم و حکمت

حضرت صوفی سید محمد عزیز الحسن شاہ نوابی

لیاقتی ابو العلائی چشتی قادری

سجادہ نشین آستانۂ عالیہ نوابیہ قاضی پور شریف فتح پور ہسوہ (یوپی)

کے نام نامی سے معنون کرتے ہوئے

فخر محسوس کرتا ہوں

☆

☆

☆

گر قبول افتد زہے عز و شرف

انجم کلیمی نوابی

جذبات کی شعلگی سے نبرد آزما شاعر

: انجم کلیمی :

میں کوئی نقاد نہیں کہ کسی کے فن و ہنر پر اظہار خیال کروں۔ انجم کلیمی کی شاعری پر لکھنے والوں نے خوب لکھا ہے۔ نوک قلم کو خم کرنے سے میرا مقصد صرف یہ ہے کہ میں بھی انجم کلیمی کی شاعری کی داد دے لوں۔ انجم کلیمی کا ہر شعر جذبے کی آگ سے تپ کر نکلتا ہے اور دل کے بحر بے کنار کی تہوں کو چھو آتا ہے۔ ہوسکتا ہے اہل نظر اس بات سے کچھ اختلاف کریں لیکن میں تو پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ میں کوئی نقاد نہیں۔ میں نے جو کچھ محسوس کیا وہ لکھ دیا ہے۔

انجم کلیمی صاحب میرے اباجی شمس العارفین بدر الکاملین فخر السالکین محبوب المقربین عاشق سید المرسلین حضرت الحاج صوفی سید نواب علی شاہ صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مرید ہیں۔ بہت اچھے شاعر ہیں۔ اباجی کے دلارے پیارے بھی ضرور ہوں گے کیونکہ اباجی کو شاعری اور خصوصاً نعتیہ شاعری سے ایک والہانہ لگاؤ تھا۔ پھر انجم کلیمی صاحب اباجی کو کیوں نہ پسند ہوں گے کیونکہ انہوں نے جہاں بہت اچھی غزلیں کہی ہیں وہیں نعت و منقبت میں بھی ان کا اپنا ایک مقام ہے ایک خاص رنگ ہے ایک خاص اور جداگانہ انداز ہے۔

انجم کلیمی صاحب کا مجموعہ ''آتش گل'' طباعت کی منزلوں سے گزرنے والا ہے اس بات کی مجھے بے اندازہ خوشی ہے اور میں اس بات کے لئے جناب انجم کلیمی کو تہہ دل سے مبارکباد دیتا ہوں اور مجموعۂ کلام کی کامیابی کے لئے دعا گو ہوں۔

سید محمد نور الحسن نوابی عزیزی
آستانۂ عالیہ نوابیہ قاضی پور شریف ضلع فتح پور (یوپی)

روشنیوں کا تاجر: انجم کلیمی

از۔ یاور وارثی
صدر۔ نعت اکیڈمی، کانپور

خانقاہیں انسان کی باطنی اصلاح کرتی ہیں۔ ایک عالم دین کسی کو نماز پڑھنے کی تلقین کرتا ہے اور اسے اللہ سے ملا دیتا ہے۔ ایک اللہ والا ایک گناہگار کے دل کو مومن بنا دیتا ہے اور اسے نمازی ہی نہیں پورا مسلمان بنا کر اس کے اندرون میں اللہ کے علاوہ اس محبوب ایزدی کا عشق بھی پیدا کر دیتا ہے جس کی محبت جان ایمان ہے۔ آقا و مولا مدینے کے تاجدار کی محبت دل کو آبگینہ بنا دیتی ہے اور وہ آبگینہ پھوٹ کر آنکھوں سے بہنے لگتا ہے۔ آقا سے دوری کا خیال اسے چین نہیں لینے دیتا۔ عام آدمی یا عام عاشق رسول تو آنسو بہا کر مطمئن ہو جاتا ہے مگر جب کوئی شاعر عاشق رسول کے منصب عظیمہ پر فائز ہوتا ہے تو صرف آنسو بہانے سے اس کی سیری نہیں ہوتی بلکہ اس کا قلم بھی آبشار اشک بن جاتا ہے۔ اور پھر وہ گوہر آبدار صفحہ قرطاس کی زینت بنتے ہیں کہ شاید و باید۔ یہاں علم و فضل و کمال کام نہیں آتے۔ اکثر کم پڑھا لکھا شاعر بھی ان کی محبت کے جذبے سے سرشار ہو کر وہ شعر کہتا ہے کہ دنیا عش عش کرنے لگتی ہے۔ ہاں اگر علم بھی ہم رکاب ہے تو طرز کلام و بیان میں اور جان پڑ جاتی ہے۔

جناب انجم کلیمی غزل کے مضبوط اور قادر الکلام شاعر ہیں۔ ان کی غزل حکایت بایار گفتن کا آئینہ بھی ہے اور عصر حاضر کا آبگینہ بھی۔ ان کی غزل غزل کی کلاسیکی روایات سے ہم آہنگ ہے۔ جذبات کی فراوانی ان کی غزل کو دوآتشہ بناتی ہے لیکن وہ صرف

جذبات کی رو میں نہیں بہتے بلکہ ہوش وخرد سے اپنے گردوپیش کا جائزہ بھی لیتے ہیں اور خیال کو فکروآگہی کی میزان پر تولنے کے بعد ہی نوک قلم کے حوالے کرتے ہیں۔ان کے اشعار کی روشنی جگہ جگہ آب رواں کی صورت تیرگی کا سینہ چیرتی نظر آتی ہے۔ وہ آبلوں سے چراغ رہگزر کا کام لیتے ہیں اور روئے محبوب کو آفتاب فلک تاب سے تشبیہ دیتے ہیں اور اس طرح اندھیروں کو شکست فاش دے کر آگے بڑھتے رہنا ان کی زندگی کا لائحہ عمل ہے۔ یہاں پر میں ان کی دو غزلوں کا ایک ایک شعر پیش کر رہا ہوں:

جب ابھر آتا ہے کوئی رات کا سورج کہیں
زندگی اپنی گنوا دینے سے ڈر جاتی ہے رات

میں بھی اک انجم ہوں رات آئی تو چمکوں گا ضرور
مندمل ہوتے نہیں ہیں شب گزاروں کے چراغ

سورج کی ایک کرن روشنی کی ایک بوند بڑی سے بڑی تاریکی کا سینہ چیرنے کے لئے کافی ہے۔شعر اول میں رات کے سورج کی ترکیب قابل غور اور بے مثال ہے۔ یہ ترکیب روئے محبوب کا استعارہ ہے۔روئے محبوب جو ہر تاریکی کا دشمن اعظم ہے۔ایک خیال اس شعر میں اور ابھرتا ہے کہ جب رنج والم اور مصیبت کی رات میں حوصلوں کا سورج روشن ہوتا ہے تو رات کو اپنی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھنے کا خطرہ لاحق ہو جاتا ہے اور آخر کار وہ زندگی کی دوڑ سے نکل کر فنا کی وادیوں میں کھو جاتی ہے۔ دوسرے شعر میں بھی کچھ اسی قسم کا خیال ہے ۔ یہاں رات ہے چراغ ہے اور آبلہ پائی ہے۔ زندگی کے تاریک صحرا کا سفر کرتے کرتے جب آبلہ پائی مقدر ہو جاتی ہے تو حوصلہ مند مسافر اس سے پیچھے نہیں ہٹتا بلکہ آبلوں کو چراغ راہ بنا لیتا ہے اور تاریکی کا سینہ شق کر دیتا ہے۔

جہاں تک حکایت بایار گفتن کا تعلق ہے تو یہ اشعار دیکھئے:

مری نظر سے اسے اجتناب آج بھی ہے
مرے حبیب کے رخ پر نقاب آج بھی ہے

مجھ کو احساس دلاتا ہے مرے ہونے کا
کوئی رہتا ہے مرے دل میں رگ جاں بن کر

کب دیکھئے اس سمت وہ مائل بہ کرم ہوں
اک عمر سے میں راہ گزر دیکھ رہا ہوں

ان اشعار کا شاعر عصر حاضر میں سانس لیتا ہے، نئی لفظیات کا استعمال بھی اس کا وطیرہ ہے لیکن وہ قدیم کلاسیکی فکر سے دامن نہیں چھڑا پاتا اور یہ اس کی کامیابی کی کلید ہے۔

آبلہ پا کوئی اس صحرا سے گزرا ہے ضرور
خار کی نوکوں پہ روشن ہیں ستاروں کے چراغ

نجانے کیوں جب میں نے انجم کلیمی کا یہ شعر پڑھا تو مجھے غالب کا یہ شعر یاد آ گیا:

آغشتہ ایم بر سر خارے بہ خونِ دل
قانون باغبانی صحرا نوشتہ ایم

میں یہ نہیں کہتا کہ انجم کا مذکورہ بالا شعر غالب کے شعر کا ہم پلہ ہے لیکن یہ اعزاز بھی کم نہیں کہ غالب کا کوئی شعر یاد آ جائے۔

انجم کلیمی کے غزلیہ اشعار پر میں نے روشنی اس لئے ڈالی کہ وہ بنیادی طور پر غزل کے شاعر ہیں۔ غزل ان کی گھٹی میں پڑی ہے۔ اس کے باوجود مجھے ان کی غزلیہ شاعری سے ان سطور میں غرض نہیں کہ مجھے تو ان کی نعتیہ اور منقبتی شاعری کا مطالعہ کرنا ہے۔

انجم کلیمی کی روحانی پرورش خانقاہ نوابیہ ابوالعلائیہ قاضی پور شریف ضلع فتح پور میں ہوئی۔ یہیں ان کو عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا جام جہاں نما پلایا گیا۔ حضور حضرت سید نواب علی شاہ صاحب قدس سرہٗ العزیز کے سلسلۂ بیعت سے منسلک ہو کر جناب انجم کلیمی پتھر سے ہیرا بن گئے اور ہیرے کو جس زاویے سے بھی دیکھئے عشق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی چھوٹ پڑتی نظر آئے گی۔ چونکہ وہ شاعر تھے قلم ان کے ہاتھ میں تھا اس لئے عشق رسول ذی شان علیہ التحیۃ والثنا حرف ولفظ کا لبادہ اوڑھ کر صفحۂ قرطاس کو اپنی نورانی

کرنوں سے معمور کرنے لگا اور وہ نعت کے رسمی شاعر نہ ہو کر باقاعدہ شاعر نعت ہو گئے۔

ان کی نعت ظاہری طور پر نیا پیرہن زیب تن نہ کر سکی لیکن باطنی طور پر عشق رسول کا دریا ان کے ہر شعر میں موجزن نظر آتا ہے۔ ان کے ساحل شعر پر جذبوں کی فراوانی نے طرح طرح کے گل بوٹے کھلائے ہیں۔ ان کی نعت کا ہر شعر، شعر کا ہر مصرعہ، مصرعہ کا ہر لفظ اور لفظ کا ہر حرف جذبۂ عشق نبی کے آبشار میں نہا کر نظارگی کو نئے نئے جہانوں کی سیر کراتا ہے۔

میں انجم کلیمی سے ذاتی طور پر واقف نہیں نہ میں نے انہیں دیکھا ہے۔ بلکہ حضور سیدی نور الحسن شاہ صاحب نور نوابی کے مطابق تو انہوں نے بھی انہیں پچھلے دس سال سے نہیں دیکھا نہ ان کی کوئی خبر پائی۔ ابھی دو دن پہلے حضرت نور نے خبر دی کہ جناب انجم کلیمی کی اطلاع مل گئی ہے۔ وہ میرا روڈ ممبئ میں قیام پذیر ہیں۔ پہلے بھی ان کا قیام ممبئ میں ہی تھا لیکن اچانک وہ پتہ نہیں کن وجوہات کی بنا پر سب کی نظروں سے اوجھل ہو گئے اور پھر دس سال بعد اچانک یہ سورج میرا روڈ ممبئ کے افق پر نمودار ہوا۔

میں نے تو انجم کلیمی کو جو کچھ بھی سمجھا ہے ان کی شاعری سے سمجھا ہے، پرکھا ہے اور برتا ہے۔ ہوسکتا ہے مستقبل قریب میں کبھی ملاقات بھی ہو جائے۔ ویسے میری نظر میں شاعر سے جتنی اچھی ملاقات اس کے اشعار میں ہوتی ہے اتنی اچھی ملاقات دوبدو نہیں ہوتی۔ ہوسکتا ہے عام لوگوں کی نظر میں یہ کلیہ غلط ہو لیکن میری آگہی اسی پر صاد کرتی ہے۔

انجم کلیمی کے مجموعہ کلام ''آتش گل'' کا مسودہ میرے ہاتھوں میں ہے۔ اس میں نثری حصے کے بعد ایک حمد بنام ''حمد رب العالمین'' ہے پھر نعتیں ہیں، منقبت امام حسین، منقبت خواجہ غریب نواز، منقبت خواجہ محمد حسن، منقبت نواب علی شاہ اور اس کے بعد غزلوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ پھر ایک بلا عنوان نظم ہے۔ آخر میں چند متفرق اشعار ہیں۔

مجموعہ کلام زیادہ ضخیم نہیں ہے لیکن کلام اہمیت کا حامل اور قابل مطالعہ ہے۔

اب آیئے نعت کے کچھ اشعار پڑھیے اور انجم کی قلمی صلاحیتوں اور جذبات عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فراوانی کا احساس کیجیے:

مہک اٹھی فضا دل یاد طیبہ میں مچل اٹھا
چلی ہے بوئے طیبہ جس گھڑی بادصبا بن کر

میں پل صراط سے گزروں گا جس گھڑی انجم
گزرتا جاؤں گا پڑھتا ہوا درود شریف

تقدیر دکھا دے مجھے سرکار کی چوکھٹ
پلکوں سے بہاروں در و دیوار مدینہ

فراق طیبہ، درود شریف کی اہمیت، در و دیوار مدینہ کو پلکوں سے بہارنا یہ تمام معاملات شاعر کے جذبۂ عشق کے قلم سے نکلے ہیں۔ کلاسیکل نعت کے یہ مضامین تازہ پیرہنی کے نمونے ہیں۔ پلکوں سے درودیوار طیبہ کو بہارنے کا جذبہ یونہی ارزاں نہیں ہوتا۔ جب عشق کی آگ انسان کو جلا کر خاک کر دیتی ہے تب اس قسم کے جذبات انگڑائیاں لیتے ہیں۔

نعت نبی کہنا اور ان کی مدح کرنا زندگی کی حقیقت ہے، نبی کا ذکر حاصل حیات ہے، مدینہ روشنی کا استعارہ ہے، مدینہ ذہن میں آتے ہی دل و دماغ میں روشنی کے جھماکے ہونے لگتے ہیں۔ نبی کے در پر حاضری تمناؤں کی معراج ہی نہیں بلکہ اس سے تمناؤں کا قد بہت بلند ہو جاتا ہے۔ فلک آثار بلندیاں تمناؤں کا بوسہ لینے لگتی ہیں۔ اس پس منظر میں مندرجہ ذیل اشعار کا مطالعہ کیجئے اور جھوم جھوم جائیے:

انہیں کی نعت سے مطلب ہے مجھ کو
انہیں کا ذکر میری زندگی ہے

مدینے کی گلیوں کو سوچا تھا میں نے
ابھی تک مرے ذہن میں روشنی ہے

فلک بوسہ لیتے ہیں قدموں کا انجم
تمنا درِ مصطفٰے پر پڑی ہے

کچھ شعراور ملاحظہ فرمائیں:

یارب درِ رسول پہ جانا نصیب ہو
اب مختصر بھی کردے شب انتظار کو

کاش مل جائے ہمیں بھی باریابی کا شرف
کاش طیبہ میں رہیں ہم بن کے مہمانِ رسول

جہاں کو ہمارے نبی کی ضرورت
ہمیشہ رہی ہے ہمیشہ رہے گی

صبا لاتی رہنا مدینے کی خوشبو
کلی میرے دل کی شگفتہ رہے گی

جس سے قائم ہے روشنی کا نظام
آؤ اس نقشِ پا کی بات کریں

پہلے دو اشعار میں تو وہی طیبہ سے دوری اور باریابی کی تمنا ہے جو ہر شاعر اور ہر عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی تمنا ہے۔ انداز بیان خوبصورت اور لفظوں کا استعمال

برمحل ہے۔

ہمارے نبی وجہ کائنات ہیں۔اس کائنات میں جو رونما ہوتا ہے جو کچھ رونما ہو چکا ہے اور ہو رہا ہے وہ سب ہمارے نبی کا صدقہ ہے۔اللہ ان کی مرضی دیکھتا ہے۔اہل عالم کو ہمیشہ ان کی ضرورت رہے گی۔

نظام حیات کی سانسوں میں تازگی مدینے کی خوشبوؤں سے ہے۔ مدینہ ہی تار انفاس کا منبع ہے۔اس کے بغیر زندگی کا تصور حرف غلط کی حیثیت رکھتا ہے۔

نبی کے نقش قدم سے روشنی کا نظام قائم ہے۔سورج چاند اور تارے بھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نقوش پا سے اکتساب نور کرتے ہیں۔ یہ نقوش پا اکتساب نور کا ذریعہ ہی نہیں بلکہ مشعل رہگزرِ کائنات وحیات بھی ہیں۔

انجم کلیمی کی نعتیہ شاعری زندگی کا استعارہ ہے اور عشق رسول کا سر چشمہ ہے۔

نعت کے علاوہ انہوں نے منقبتیں بھی کہی ہیں۔امام عالی مقام کی جاں نثاری اور وجہ جاں نثاری پر روشنی ڈالتا ہوا یہ عقیدت آموز شعر دیکھئے:

جو اپنے نانا کے ایک اشارے پہ ہنس کے گردن کٹا دے انجم
نہ بزم عالم میں کوئی دیکھا امام عالی مقام جیسا

یہ شعر تو ان کی ایک نعت سے لیا گیا ہے لیکن انجم نے باقاعدہ امام عالی مقام کی شان میں منقبتی اشعار کہے ہیں۔

ہونٹوں پہ ذکر آل شہ کائنات ہے
یہ منزلت نصیب ہے قسمت کی بات ہے

اے مومنو ! یہ قولِ شہ کائنات ہے
عترت مری سفینۂ بحر نجات ہے

اس شان سے چلے ہیں سوئے کربلا حسین
عہد وفا رضائے خدا ساتھ ہے

کربلا کی سرزمین پر امام عالی مقام نے جانوں کا جو نذرانہ پیش کیا اس کی وجوہات کیا تھیں۔ اس پس منظر میں اگر جائیں تو نظر آتا ہے کہ دراصل حسین نے اپنے نانا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی اور رضائے خداوندی پر نہ صرف اپنا بلکہ اپنے جملہ خاندان کی جانوں کا نذرانہ پیش کر کے قیامت تک آنے والوں کے لئے زندگی کا لائحہ عمل مرتب کر دیا۔

خواجہ غریب نواز کی شان میں بھی دو شعر ملاحظہ فرمایئے اور جناب انجم کلیمی کی عقیدت کو بوسہ دیجئے:

سر پہ ہیں اہل شر معین الدین
لو ہماری خبر معین الدین

آسمان و زمیں کو گھیرے ہوئے
ہے تمہاری نظر معین الدین

حضرت خواجہ محمد حسن رحمۃ اللہ علیہ کی ذات محتاج تعارف نہیں۔ آپ سیدی مولائی حضور سید نواب علی شاہ صاحب قدس سرہٗ العزیز کے پیر طریقت ہیں۔ آپ کی بارگاہ فلک وقار میں جناب انجم کلیمی کا نذرانۂ عقیدت صرف دو شعر دیکھئے:

درِ خواجہ حسن پر رحمت عالم کی رحمت ہے
بایں معنی زمانے میں بڑی ان کی فضیلت ہے

مرے سر کو بھی اس سنگ درِ والا سے نسبت ہے
سبب یہ ہے کہ ہمدوشِ ثریا میری قسمت ہے

اپنے پیر منیر حضور سید نواب علی شاہ صاحب قدس سرہٗ العزیز کے لئے جو منقبتی اشعار کہے ہیں اس میں ان کے جذبات عشق ساتویں آسمان پر ہیں اور جدت طرازی کا

بہترین نمونہ ہیں۔

چمک رہے ہیں سر آسماں شہ نواب
زمین والے کہاں اور کہاں شہ نواب

خدا کے فضل کا ہے سائباں تمہارے لئے
مقیم مسکن باغِ جناں شہ نواب

ہمیں بھی اپنا اتارا عطا کرو للہ
تمہارا پھولے پھلے گلستاں شہ نواب

تمہارے پاؤں کی ٹھوکر میں رکھا پتھر ہے
تمہارے واسطے تاج شہاں شہ نواب

ایک دوسری منقبت کے چار شعر اور پیش کرتا ہوں۔ ان اشعار میں انجم کلیمی کی بلندی افکاری اور جذبوں کو دیکھنا اور سمجھنا میں آپ پر چھوڑتا ہوں:

دھوپ اوڑھے کون سر پہ سائباں ہوتے ہوئے
کیوں کہیں جاؤں تمہارا آستاں ہوتے ہوئے

کیا کرشمہ ساز تھی چشم عنایت آپ کی
ہم نے دیکھا ہے زمیں کو آسماں ہوتے ہوئے

سچ بتانا اس سخی دربار میں اے سائلو !
کیا نظر آئی تمنا رائیگاں ہوتے ہوئے

ہم کو کچھ مشکل نہیں ہے زندگی کا یہ سفر
ساتھ ان کی رحمتوں کا کارواں ہوتے ہوئے

جناب انجم کلیمی عالم جذب میں رہتے ہیں جہانیاں جہاں گشت علیہ الرحمہ کی سنت پر عمل کرتے ہوئے دنیا کی سیر کرتے رہتے ہیں۔ اکثر ان کی کوئی خبر نہیں ملتی۔ لیکن انہیں اپنے روحانی مرکز یعنی خانقاہ عالیہ نوابیہ کے جملہ بزرگوں سے بے انتہا محبت ہے۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ اکثر سننے میں آتا ہے کہ ممبئی میں یا اور کہیں انہوں نے حضور صوفی سید نواب علی شاہ علیہ الرحمہ کے پسر اکبر اور خانقاہ عالیہ نوابیہ کے صاحب سجادہ حضور صوفی سید عزیز الحسن شاہ قبلہ سے شرف ملاقات حاصل کیا اور ان کی دعاؤں سے خود کو سرفراز کیا۔ میرا وجدان یہ کہتا ہے کہ ایسے مواقع پر حضور صاحب سجادہ اس عاشق وشیدائے حضور خواجہ سید نواب علی شاہ علیہ الرحمہ کو ضرور نوازشات خصوصی سے سرفراز کرتے ہونگے اور کیا عجب کہ یہ جہاں گشتی پیر یا پیرزادے اور موجودہ صاحب سجادہ قبلہ کے اشارے پر ہو رہی ہو اور اس کے پیچھے کوئی رمز پوشیدہ ہو جو ابھی وقت کی دبیز تہوں میں نہاں ہے۔

جناب انجم کلیمی کی غیر حاضری کے دور میں ان کے کلام کو یکجا کرنا، اس پر مضامین لکھوانا، اسے محفوظ کرنا ایک بڑا کام تھا جسے حضرت سید نور الحسن نور نوابی محترم نے بخوبی انجام دیا۔ وہ اس کے لئے قابل صد مبارکباد ہیں۔

جناب انجم کلیمی کو بھی چاہئے وہ فرط انبساط وعقیدت سے حضرت نور کے دست کرم ساز کو بوسہ دے کر انہیں خراج محبت پیش کریں۔

یاور وارثی
88/242-D، چمن گنج۔ کانپور
موبائل: 09455306981

۱۹/ جون ۲۰۱۴ء

شیخ محمد الیاس انجم کلیمی نوابی کی غزل: ایک جائزہ

میرا خیال ہے کہ شاعری کی ابتدا اس زمانے میں ہوئی ہوگی جب احساس لطیف نے جذبے کی شکل اختیار کی ہوگی اور انسان اسکے بیان پر مجبور ہوا ہوگا۔ لہٰذا یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ شاعری احساس، جذبے، مشاہدے اور تجربے کے اظہار کے باعث ہی وجود میں آئی۔ ہزار ہا سال سے شاعری جو کسی نہ کسی روپ ورنگ میں سامنے آتی رہی ہے۔ وہ از خود وجدان یا الہام کی طرح ذہن کے سوتے سے پھوٹی ہوئی لگتی ہے۔ گویا پہاڑوں کے سینوں میں شگاف کر کے بہہ نکلی ہوگی اور وقت نے اسے آبشاروں، دریاؤں اور سمندروں کا کشش انگیز رنگ روپ بخشا ہوگا۔ گویا شاعری انسان کے لطیف محسوسات اور فکر جمیل کا منظوم اور شعریت آمیز دلکش بیان ہے جو حالات زمانہ، کیفیات دل اور وقت کی یورشوں کا غماز رہا ہے۔ ہم اسے سچ تسلیم کر لیں تو پورے وثوق سے یہ بات کہہ سکتے ہیں کہ شاعری وقت اور حالات کی پروردہ بھی ہوتی ہے اور وقت کی آئینہ دار بھی۔

اس پس منظر میں محترم شیخ محمد الیاس انجم کلیمی نوابی کے کلام کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ انہوں نے غزل کو اپنا ذریعۂ اظہار بنایا۔ حالانکہ اسے اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لینا اس کے ساتھ جینا، اس کی وساطت سے ذوق و غالب کی طرح اپنی شناخت قائم کر لینا کبھی آسان نہیں رہا۔ مگر جنونِ شوق کی کارفرمائیاں ہمیشہ نئے جہانوں کا سفر کراتی ہیں اور خوش رنگ گل بوٹے اگاتی ہیں۔

میں نے محترم شیخ محمد الیاس انجم کلیمی نوابی کے نظریۂ شعر اور عقیدہ فن پر نظر مرکوز کرنی چاہی تو ان کے بعض اشعار سے ان کے مطمحِ نظر کی وضاحت ہوسکی۔ اس نوعیت کے چند اشعار مندرج ہیں۔

وہی سلیقہ ضروری ہے دیدہ ور کے لئے
کہ جس سلیقے سے اس نے کمال رکھا ہے

رو برو آئینہ رکھئے تو سجھائی دے گا
رخ کا ہر عیب و ہنر صاف دکھائی دے گا

سوچوں کی رہگزر سے نکلنا محال ہے
تم اپنے ذہن و فکر کو حیران مت کرو

اس کی تفسیر کی چنداں نہیں حاجت پڑتی
جاگتی آنکھ میں جو خواب بھی پلتا ہے میاں

شاعری اس عمل کا نام ہے جس کے ذریعے فرد محسوسات سے معنویت کی طرف سفر کرتا ہے اور حسی و معنوی طور پر غزل میں دونوں کو یک جان پاتا ہے۔ ذات اور کائنات کی اس آگہی محسوسات اور معنویت کی اس یک جائی سے جو ابلاغ پیدا ہوتا ہے اس سے متصف ہو کر شاعری فرد ہی کی نہیں جماعت کی بھی ترجمان بن جاتی ہے۔ شیخ محمد الیاس انجم کلیمی نوابی کے یہاں ایسی ترجمانی بدرجۂ اتم موجود ہے ؎

تیری یاد آتے ہی کھل اٹھتی ہیں دل کی وادیاں
جس طرح مہتاب آنے سے نکھر جاتی ہے رات

خاموش کھڑا ہوں تو یہاں حشر بپا ہے
بولوں گا تو دنیا کو سنائی نہیں دوں گا

نقش بر آب نہیں ہوں کہ فنا ہو جاؤں
مٹ گئے مجھ کو زمانے سے مٹانے والے

یہ ضروری تو نہیں پھول چمن ہی میں کِھلیں
اٹھو صحرا میں کوئی پھول کھلاؤ لوگو

شاعری حسن و معنی کی تہوں کو کھولنے، اظہار کی اونچائیوں سے نئے آفاق کی تلاش، درونِ خانہ اور بیرونِ در، ماضی، حال اور مستقبل اور ان سے ہو کر گزرتے ہوئے لمحات کو ایک وحدت میں باندھنے کا نام ہے۔ شیخ محمد الیاس انجم کلیمی نوابی کی غزلیں ایسا آئینہ ہیں جن میں زمانے کے ہر موسم کی جھلک دیکھی جا سکتی ہے لیکن انہیں دکھ ہے کہ موجودہ بدلتی اقدار نے فرد کی اہمیت کو کم کر دیا ہے اور لوگوں کے رویے بدل گئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے لہجے میں احتجاج اور تلخی کی آمیزش بھی ملتی ہے۔

چیختا ہوں تو نہیں سنتا کوئی میری صدا
کچھ نہ بولوں گا تو دنیا کو سنائی دے گا

ہاں میں نے وفا کی ہے، خطا ہے تو سزا دو
اس جرم کی میں کوئی صفائی نہیں دوں گا

سنبھل سنبھل کے بڑھانا قدم سوئے منزل
انا کی راہ میں پل پل زوال رکھا ہے

آبلہ پا کوئی اس صحرا سے گزرا ہے ضرور
خار کی نوکوں پہ روشن ہیں ستاروں کے چراغ

زندگی کی رنگارنگی کی طرح غزل میں بھی مضامین و موضوعات کے انگنت جہان معانی پوشیدہ ہوتے ہیں جن تک رسائی کے لیے بے پناہ قوت احساس تخیل کی بلند پروازی اور معمولی بات کو غیر معمولی بنا کر پیش کرنے کا ہنر درکار ہوتا ہے اور اس کے لئے غزل کے مزاج سے اس کی کلاسیکی روایات کا عرفان اور عصر حاضر کے مسائل و معاملات کا شعور ہونا بھی ضروری

ہوتا ہے۔اس لحاظ سے بھی انجم صاحب کی غزلوں میں مذکورہ اوصاف بدرجۂ اتم پائے جاتے ہیں۔وہ جہاں غزل کے کلاسیکی رچاؤ اور لطافت بیان پر قدرت رکھتے ہیں وہیں مثبت وصالح جدت پرستی کے عناصر کو غزل کی زیریں لہروں کو اپنے شعروں میں رواں کرنے کا ڈھب بھی جانتے ہیں۔

شیخ محمد الیاس انجم کلیمی نوابی نے وادی شعر وسخن میں ایک عمر بسر کی تب کہیں جا کر اس وادی کے نشیب وفراز اور رموز ونکات کا انہیں ادراک ہوا ہے۔آخر میں ان کی فکر کے آئینہ دار کچھ اشعار پیش کر کے اجازت چاہتا ہوں۔

خون میں رکھیے حرارت کا تناسب قائم
آنچ دھیمی ہو تو دانہ نہیں گلتا ہے میاں

رُخ ہواؤں کا بدل دیتا ہے طوفان میں کون
کون آندھی سے بچاتا ہے ہزاروں کے چراغ

مجھ کو احساس دلاتا ہے مرنے ہونے کا
کوئی رہتا ہے مرے دل میں رگِ جاں بن کر

کیا چاہئے دنیا تجھے اس دل کے سوا مانگ
حق مجھ کو نہیں چیز پرائی دوں گا

ساغر وارثی

(سابق رکن اُردو اکادمی اتر پردیش)

ایمن زئی جلال نگر،شاہجہاں پور

Mobile:09369190785

اپنے عہد کے معتبر شاعر: انجم کلیمی نوابی

شارق عدیل

ہمارے عہد کے شعراء کی ایک بڑی تعداد نے غزل کو ایک آسان سی شعری صنف تصور کرلیا ہے اس لئے ہر شاعر دومصرعے برابر کہہ کر غزل کا حق ادا کرنے کا دعویدار بن بیٹھا ہے جبکہ غزل ایک مشکل ترین صنف ہے۔اس کے فنی تقاضے اور تہداریت اپنے شعراسے مسلسل خون تھوکنے پراصرار کرتی ہے۔

غزل اپنے ایک شعر میں طویل تقریر کی معنویت کوسمیٹ کر بیان کرنے کی وسعت رکھتی ہےتو ظاہر ہے ایسی صورت میں غزل کے شاعر کومحبوب کے ناز اٹھانے کے ساتھ زندگی کے تجربات ومشاہدات کے صحراؤں کی خاک بھی چھاننی پڑتی ہےاور یہ ثابت کرناپڑتا ہے کہ وہ زندگی کے بدلتے ہوئے منظرنامے سے بے خبر نہیں ہے۔

چونکہ موجودہ غزل اپنے آنگن میں ایسے ہی شعرا کا استقبال کرتی ہے جوپھول کی پتی سے شیشے کا جگر تراشنے کا ہنر اور حوصلہ اپنے اندر رکھتے ہیں،اور یہ ہنر یہ حوصلہ نام نہاد جدید شعرامیں مشکل ہی سے دیکھنے کوملتا ہے۔

انجم کلیمی نوابی،غزل قبیلے کے ایک ایسے باوقار معتبر شاعر ہیں جنہیں شاعری وراثت میں ملی ہے۔ان کے والد کلیم الہ آبادی ایک کہنہ مشق شاعر کی حیثیت رکھتے ہیں،اورآپ نے ابتدائی شعری تربیت اپنے والد ہی کے سایہ میں حاصل کی ہے اورآج

تک اسی کی روشنی میں شعری رہ گزر میں سفر کر رہے ہیں، اور اس سفر میں بھی ان کیلئے جو سب سے اہم ہمسفر کی حیثیت رکھتے ہیں وہ ہیں ان کے پیرو مرشد حضرت الحاج صوفی سید نواب علی شاہ حسنی صاحب جن کا آستانۂ عالیہ موضع قاضی پور شریف ضلع فتح پور ہے۔ جو اُن کی شعری اور مذہبی زندگی کے لئے ایک ایسے پُل کی مانند ہے جس کے دونوں کناروں پر علم ونور کی برسات ہوا کرتی ہے۔

چونکہ حضرت الحاج صوفی سید نواب علی شاہ حسنی صاحب بھی علم وحکمت کا سمندر ہیں، ان کے یہاں شاعری کے زبردست امکانات ہیں لیکن وہ فقراء کے اس قبیلے سے ہیں جو سرکار دو عالم کی نعت خوانی میں ہر وقت مصروف رہا کرتے تھے اور ہر وقت اللہ کے بندوں کی خیر کیلئے دعائیں کیا کرتے تھے اور یہ سلسلہ آستانۂ نوابیہ کے ہر دروازے سے آج بھی جاری ہے۔

اس لئے ان کے کمال فن کی وسعتیں رسول اکرم کی نعت کی گلی سے آگے جانا پسند نہیں کرتی ہیں اور آپ کی یہ برکات دیکھ کر آج بھی انسان استعجابی کیفیت سے ہمکنار ہو جاتا ہے۔

آستانۂ نوابیہ کی یہ صفت ہے کہ ہر مذہب ہر قوم کے لوگ یہاں آکر آپس میں اس طرح گھُل مل جاتے ہیں کہ جیسے یہ ایک ہی خاندان کے لوگ ہوں اسلئے آستانۂ عالیہ نوابیہ کی تعلیمات کے چراغوں کی لویں مزید تیز تر نظر آتی ہیں۔ ایسے نورانی ماحول میں جس شاعر کی علمی وشعری تربیت ہوئی ہو تو اس کے شعری فن پاروں کے حرف حرف سے انسانیت اور صداقت جھانکتی ہوئی نظر آئے گی ہی۔ میں اپنے خیال کی تائید میں چند اشعار پیش کرنا چاہتا ہوں، جو انجم کلیمی نوابی نے اپنے پیرو مرشد کی عقیدت ومحبت میں غرق لمحات میں تخلیق کئے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں:

چمک رہے ہیں سر آسماں شہ نواب
زمین والے کہاں اور کہاں شہ نواب

ہمیں بھی اپنا اتارا عطا کرو للہ
تمہارا پھولے پھلے گلستاں شہ نواب

یہ میرا گھر ہے کہ شرمائے دشت بھی جس سے
کرم کی بارشیں کردو یہاں شہ نواب

علی کا خون تمہاری رگوں میں دوڑتا ہے
تمہیں ہو جانِ عطا بے گماں شہ نواب

مجھے یقین ہے خالی نہ جاؤں گا در سے
کھڑا ہوا ہوں سر آستاں شہ نواب

مدد کرو کہ سنبھالے نہیں سنبھلتا ہے
غموں کا سر پہ ہے کوہِ گراں شہ نواب

تحریر کردہ اشعار میں انجم کلیمی نوابی کی اپنے پیرومرشد حضرت الحاج صوفی سید نواب علی شاہ حسنی صاحب کی عقیدت ومحبت دیدنی ہے اور کیوں نہ ہو صوفیا کے اس قبیلے نے عوام کو اپنی دعاؤں اور کراماتوں سے نواز کر انہیں ایک مکمل انسان بنانے کی سعی کی ہے۔ تبھی تو آستانۂ عالیہ نوابیہ تک آنے والی تمام راہیں ہر قوم ومذہب کے لوگوں سے بھری رہتی ہیں، اور ایک سچا شاعر اپنے پیرومرشد کی صداقت سے لبریز توصیف سے کیسے بیگانہ رہ سکتا ہے۔

اب ہم انجم کلیمی نوابی کی غزل کی طرف آتے ہیں جہاں زندگی کے مختلف رنگوں کی نمائندگی میں انسان کے احساسات وتجربات کا مشاہدہ بھی کیا جاسکتا ہے چونکہ موصوف ایک عملی شاعر ہیں،

کسے خبر تھی کہ حالات یوں رلائیں گے
ابھی میں ہنستا ہوا اپنے گھر سے آیا تھا

تا کہ بھٹکیں نہ اندھیروں سے گزرنے والے
شوق کی راہ میں روشن کوئی مشعل کردوں

ہم نے بھی سر سے کفن باندھ لیا ہے لوگو !
پھر کوئی فتنہ نیا اور جہاں سے اٹھے

جب نہ مل پایا کوئی ہمدرد ، کوئی ہمسفر
میں اکیلا ہی چلا ہوں زندگی کے ساتھ ساتھ

نہ جانے دیا مجھ کو کوئے جنوں تک
مجھے مار ڈالا مری آگہی نے

کناراکش رہوں دیر و حرم کے جھگڑوں سے
میں اپنی زیست کا ہر لمحہ تیرے نام کروں

لوگ تنقید کے پہلو نہ نکالیں تجھ میں
آ غزل آ میں تجھے آج مدلل کردوں

انجم کلیمی نوابی کی غزل جہاں روایت سے قریب نظر آتی ہے وہیں زندگی اور مفلسی کے کربناک لمحوں کی بھی شاہد نظر آتی ہے اور اپنے عصر کے خونریز احساسات سے بھی باخبر ہے اور اگر ایسا نہیں ہوتا تو وہ یہ کبھی نہیں کہتے کہ ہم نے بھی اب سر سے کفن باندھ لیا ہے۔

اب یہ زمانہ ہماری راہوں میں کوئی فتنہ کھڑا کر کے دیکھے ہم اس کے مقابل نظر آئیں گے۔اس مقام پر شاعر کے حوصلے اور جسارت کی داد دینی چاہئے۔ چونکہ کوئی بھی شر

اورفتنہ اس وقت تک ہی زمین پرٹکتاہے جب تک لوگ اس کے خوف ودہشت کے حصار میں گرفتار رہتے ہیں،اورجیسے ہی جیالے سر سے کفن باندھ کرمیدان میں اترتے ہیں تو نفرتوں کا کاروبار کرنے والے بزدل جنگ شروع ہونے سے قبل ہی بھاگ کھڑے ہوتے ہیں۔بقیہ اشعار کی معنویت بھی حقیقی شعری مناظر کے مترادف ہے۔

انجم کلیمی نوابی کے یہاں محبوبیت کے احساسات میں شرابور اشعار کی جو کہکشائیں جگمگاتی ہیں وہ بھی اپنے قارئین کو بے حد متاثر کرتی ہیں اورغزل کی اس خوبی سے تو کوئی انکارنہیں کرسکتا کہ یہ البیلی جدید سے جدید شاعر کو بھی اپنے لغوی معنی کی چھاؤں میں کھینچ ہی لیتی ہے۔

اورانجم کلیمی نوابی تو محبتوں کے شاعر ہیں اسلئے ان کے یہاں محبوب کا تذکرہ محبوب کے دل موہ لینے والے انداز میں ہی فروزاں ہوتا ہے۔

ان کو طرح طرح کی جفاؤں پہ ناز ہے
مجھ کو یہ فخر ہے کہ وفا کر رہا ہوں میں

ترے خیال میں ڈوبا رہوں میں ہر لمحہ
اسی میں صبح کروں میں اسی میں شام کروں

یوں اچانک سامنے آنا قیامت تھا ترا
اشک آنکھوں میں اڈ آئے خوشی کے ساتھ ساتھ

ہم نہ اٹھیں گے خفا ہو کے کبھی محفل سے
اور اٹھے بھی تو سمجھو کہ جہاں سے اٹھے

انجم کلیمی نوابی کی شاعری میں جو محبوبیت کا تذکرہ کیا گیاہے اس میں کہیں کہیں معمولی الفاظ کی تبدیلی کے ساتھ معنویت کوتبدیل کردیا گیاہے۔صرف ایک شعری نمونہ

ملاحظہ فرمائیں۔

یہی دونوں منزلیں ہیں مری زندگی کا حاصل
کبھی میرے سامنے تو ، کبھی تیرا آستانہ

انجم کلیمی نوابی کی شاعری میں حمد ونعت اور منقبت کے بھی عمدہ نمونے پائے جاتے ہیں اوران کی شاعری میں کربلا کے شہیدوں کو بہت ہی پرسوز احساس کے پیرایہ میں بیان کیا گیا ہے۔

حمدیہ اشعار

مرے خدا رہے تیرا ہی ذکر سارا دن
سکوتِ شب میں بھی تجھ سے ہی میں کلام کروں

تری شان کریمی کا جہاں میں بول بالا ہے
تری رحمت ترے جلوؤں سے عالم میں اجالا ہے

نعتیہ اشعار

انہیں کی نعت سے مطلب ہے مجھ کو
انہیں کا ذکر میری زندگی ہے

نبی کے دوستوں کا دوست ہوں میں
نبی کے دشمنوں سے دشمنی ہے

منقبتیہ اشعار

اس شان سے چلے ہیں سوئے کربلا حسین
عہد وفا ، رضائے خدا ساتھ ساتھ ہے

ہے یاد اس کو آج بھی اصغر تمہاری پیاس
شرمندہ تم سے آج بھی آبِ فرات ہے

مذکورہ اشعار کی معنوی فضاؤں میں شاعر کی ایمانی خوشبوؤں کے ساتھ اس کے فکر وعمل کی روشنی کو بھی دیکھا جاسکتا ہے اور یہ بھی محسوس کیا جاسکتا ہے کہ شاعر زندگی میں صالح اقدار کا پیرو ہے۔

اور مجھے یہ کہتے ہوئے مسرت ہو رہی ہے کہ انجم کلیمی کی شاعری عیوب سے پاک وصاف نظر آتی ہے۔

اور یہ بات ہمارے عہد کے حوالے سے کافی اہمیت رکھتی ہے چونکہ تازہ کار شعرا تخلیقی لمحوں میں کسی بھی پابندی کو قبول کرنا ضروری نہیں سمجھتے ہیں اس لئے ان کے یہاں بے داغ شعری منظر ذرا مشکل سے ہی نظر آتے ہیں لیکن انجم کلیمی نوابی ایسے کہنہ مشق شعرا ہمیشہ فن کے مشکل ترین راستوں کو آسان بنانے کے جوکھم کو اٹھاتے ہیں اور اپنی ہر تخلیق کو فن پارہ بنا کر اپنے قارئین وسامعین کے سامنے رکھتے ہیں، اور فنکار کہلاتے ہیں، اور یہی سبب ہے جو انجم کلیمی نوابی کی شعری رہ گزر عیوب کے کانٹوں سے مبرا نظر آتی ہے۔

میں مضمون کے آخر میں ان کا ایک ایسا شعر سپرد قرطاس کر رہا ہوں جس کی معنویت اردو زبان کی بقا کے احساس سے روشن ہے۔

فرسودہ یہ خیال سہی ، ضبط کیجئے
اردو زباں کی فکر بقا کر رہا ہوں میں

شارق عدیل
پوسٹ مارہرہ، ضلع ایٹہ۔۲۰۷۴۰۱ (یوپی)

۷۸۶

حمدرب العالمین

ربیع ثانی

ہے تو ہی خالق و مالک فلک کے چاند تاروں کا
ہے تو ہی قادرِ مطلق سہارا بے سہاروں کا

تری شانِ کریمی کا جہاں میں بول بالا ہے
تری رحمت، ترے جلووں سے عالم میں اجالا ہے
پڑیں ایوب پر جب مشکلیں تو نے سنبھالا ہے
تو یونس کو بھی تو نے بطن ماہی سے نکالا ہے
کروں کیا ذکر تیری شانِ رحمت کے اشاروں کا
ہے تو ہی قادرِ مطلق سہارا بے سہاروں کا

تری رحمت نے ہی یعقوب و یوسف کو ملایا ہے
تری ہی رحمتوں نے نوح کا بیڑا بچایا ہے
وہ تو ہے اپنا جلوہ جس نے موسیٰ کو دکھایا ہے
امام المرسلیں پر تیری ہی رحمت کا سایہ ہے
تری رحمت ہی بنتی ہے سہارا غم کے ماروں کا
ہے تو ہی قادرِ مطلق سہارا بے سہاروں کا

ہے تو جلوہ نما اپنی ہی قدرت کے نظاروں میں
ترا ہی نور بکھرا ہے فلک کے چاند تاروں میں
عیاں ہے شانِ وحدت باغِ عالم کی بہاروں میں
نظامِ رنگ و بو ملتا ہے تیرے ہی اشاروں میں
ترے لانے سے موسم آئے گلشن میں بہاروں کا
ہے تو ہی قادرِ مطلق سہارا بے سہاروں کا

ملک، جن و بشر محتاج ہیں سب تیری رحمت کے
زمین و آسماں میں ہیں نظارے تیری قدرت کے
ترے مرہونِ منت ہیں یہ جلوے قوم و ملت کے
لبوں پر تیرتے ہیں نغمے تیری شانِ وحدت کے
یہ سارا کارنامہ ہے مشیت کے اشاروں کا
ہے تو ہی قادرِ مطلق سہارا بے سہاروں کا

جنابِ سید کونین کا ہے واسطہ یارب
انیس و یاور دارین کا ہے واسطہ یارب
جناب فاطمہ کے چین کا ہے واسطہ یارب
علی مشکل کشا حسنین کا ہے واسطہ یارب
کہ انجم منتظر ہے تیری رحمت کے اشاروں کا
ہے تو ہی قادرِ مطلق سہارا بے سہاروں کا

☆

ربیع ثانیؒ

بجز ان کے نہ آیا کوئی محبوب خدا بن کر
محمد مصطفےٰ ہو کر ، امام الانبیا بن کر

چلو چلتے ہیں روضے پر حقیر و بے نوا بن کر
تمنا ہے کہ مانگیں بھیک آقا کے گدا بن کر

مرادیں اپنی پاتے ہیں جنہیں آقا بلاتے ہیں
سبھی پر رحمتیں آقا کی ہوتی ہیں عطا بن کر

بحمداللہ قسمت لے ہی آئی ان کے قدموں میں
جبین شوق جھکتی جا رہی ہے التجا بن کر

لبوں پر ہے درود آنکھوں میں اشکوں کا ہے نذرانہ
میں پہونچا آستانے پر سراپا درد کا بن کر

دلِ مضطر بتا تو ہی یہاں سے میں کہاں جاؤں
یہی حسرت ہے رہ جاؤں میں ان کی خاکِ پا بن کر

مہک اٹھی فضا ، دل یادِ طیبہ میں مچل اٹھا
چلی ہے بوئے طیبہ جس گھڑی بادِ صبا بن کر

غلامانِ نبی میں ، مَیں ہوں ادنیٰ سا غلام اُن کا
رہا کرتا ہوں حب مصطفےٰ میں آئینہ بن کر

چھٹی ظلمت جہاں سے ، اور نورانی کرن پھیلی
مرے سرکار آئے ہیں سراپا معجزہ بن کر

زمانے میں کوئی انجم اُسے بہکا نہیں سکتا
شفیع المذنبیں ہوں ساتھ جس کے رہ نما بن کر

☆

☆

عشق کے سارے شجر سید کونین کے نام
ابر پاروں کے سفر سید کونین کے نام

کام ان کا ہے بنا دینا انہیں تاج محل
دل کے بوسیدہ کھنڈر سید کونین کے نام

جان تو پہلے ہی منسوب ہے ان سے میری
ذرہ ذرہ مرا گھر سید کونین کے نام

کسی بنجر پہ جو لکھ دیں تو بنے رشک جناں
ایسا رکھتے ہیں اثر سید کونین کے نام

ہیں یہی میرا اثاثہ یہی دولت میری
بیش قیمت ہیں گہر سید کونین کے نام

خر دماغوں کی تو میں بات نہیں کرتا مگر
جس قدر خم ہیں وہ سر سید کونین کے نام

محفل شمس فلک روشن و تاباں ان سے
مشعل بزم قمر سید کونین کے نام

تیری معراج ہے یہ تجھ کو پتہ ہے کہ نہیں
چوم لے میری نظر سید کونین کے نام

طاقت کفر کے تھرانے لگے پاؤں اُدھر
لب پہ آئیں جو اِدھر سید کونین کے نام

نکہت گل میں ڈبو باد صبا نوک قلم
لکھ سر بام سحر سید کونین کے نام

میرا ایمان ہے انجمؔ کہ بنیں کام مرے
لب پہ آجائیں اگر سید کونین کے نام

☆

ربیع ثانیؒ

نبی ملے تو خدا سے ملا درود شریف
مری حیات کا جز بن گیا درود شریف

سماعتوں میں جہاں نام مصطفیٰ آیا
ادب سے جھک کے پڑھا بارہا درود شریف

چلی جو شہر مدینہ کی نرم نرم ہوا
گلوں کی طرح مہکنے لگا درود شریف

خیال گنبد خضریٰ کا آ گیا جس دم
لبوں پہ آگیا بے ساختہ درود شریف

پڑھا درود ، نظر آیا گنبد خضریٰ
بنا ہوا ہے مدینہ نما درود شریف

بوقت نزع پڑھوں لا الہ الا اللہ
زبان پر رہے صبح و مسا درود شریف

میں پل صراط سے گزروں گا جس گھڑی انجم
گزرتا جاؤں گا پڑھتا ہوا درود شریف

☆

ربیع ثانیؒ

ہو مجھ پہ کرم مالک و مختارِ مدینہ
اب پاس بلالو مجھے سرکارِ مدینہ

تقدیر دکھادے مجھے سرکار کی چوکھٹ
پلکوں سے بُہاروں در و دیوارِ مدینہ

دل ہجر کا مارا تڑپ اٹھتا ہے وہیں پر
ہوتی ہے جہاں بزم میں گفتارِ مدینہ

اے شوق مرے مجھ کو دکھا وہ درِ رحمت
رہتے ہیں جہاں سید ابرارِ مدینہ

اے میرے طبیبو میں نہیں بس کا تمہارے
بیمار مدینہ ہوں میں بیمار مدینہ

مجھ کو بھی تمنا ہے کبھی بھیگ کے دیکھوں
للہ کرم بارش انوارِ مدینہ

انجم ہے یہ جنت سے بہلنے کا نہیں ہے
دیدار کا خواہاں ہے طلبگار مدینہ

☆

ربیع ثانیؒ

بڑے ہی اوج پر قسمت مری ہے
نظر کے سامنے شہر نبی ہے

میں دیوانہ ہوں کوئے مصطفےٰ کا
مرے قدموں میں یوں دنیا پڑی ہے

انہیں کی نعت سے مطلب ہے مجھ کو
انہیں کا ذکر میری زندگی ہے

دیارِ مصطفےٰ کہتے ہیں جس کو
اجالوں کا سمندر وہ گلی ہے

گدائے کوچۂ خیرالوریٰ ہوں
مجھے حسرت سے شاہی دیکھتی ہے

چراغِ عشقِ آقا کر کے روشن
کیا میں نے علاجِ تیرگی ہے

ابھی ہے انجمن میں ذکر ان کا
ابھی روشن چراغِ آگہی ہے

نبی کے دوستوں کا دوست ہوں میں
نبی کے دشمنوں سے دشمنی ہے

کہی ہے جب سے انجؔم نعت میں نے
مری سانسوں میں خوشبو بس گئی ہے

☆

ربیع ثانیؔ

ہر اک سانس وقف ثنائے نبی ہے
مری زندگی اب مری زندگی ہے

مرا دل بھی گنجینۂ آگہی ہے
زباں پر فقط یا نبی یا نبی ہے

مدینے کی گلیوں کو سوچا تھا میں نے
ابھی تک مرے ذہن میں روشنی ہے

نظر میں ہے نقش کف پائے آقا
خود اب میری منزل مجھے ڈھونڈتی ہے

رسولِ دوعالم کی ہے آمد آمد
جدھر دیکھئے رحمتوں کی جھڑی ہے

تری ذات ہے وجہِ بنیادِ عالم
تری ذات پر ختم پیغمبری ہے

غلامانِ سرور میں ہے نام میرا
سند مغفرت کی مرے پاس بھی ہے

فلک بوسہ لیتے ہیں قدموں کا انجم
تمنا درِ مصطفیٰ پر پڑی ہے

☆

ربیع ثانیؔ

طیبہ کی ہر گلی کو ، فضا کو ، بہار کو
اے کاش میں بھی دیکھوں نبی کے دیار کو

یارب درِ رسول پہ جانا نصیب ہو
اب مختصر بھی کردے شب انتظار کو

آکر درِ رسول پہ آنکھیں ہیں اشکبار
آ ہی گیا قرار دل بے قرار کو

دے کر دہائی آل پیمبر کی دیکھئے
آقا سنیں گے آپ کے دل کی پکار کو

آقا مجھے بھی سوزنِ رحمت عطا کریں
پوچھے گا کون پیرہن تار تار کو

انجم جو میرے دامن دل کو نصیب ہو
سرمہ بنا لوں خاکِ درِ نامدار کو

☆

ربیع ثانیؓ

اگر دل میں یادِ مدینہ رہے گی
منور ترے دل کی دنیا رہے گی

تمنا کرے گا جو ان کی گلی کی
مہک دار بزم تمنا رہے گی

جہاں کو ہمارے نبی کی ضرورت
ہمیشہ رہی ہے ہمیشہ رہے گی

بڑھاتا ہے رب العلی ان کی عظمت
وہ اعلیٰ تھی ، اعلی ہے ، اعلیٰ رہے گی

نبی کے غلاموں میں گنتی ہے میری
یہ پہچان ہی میرا طرہ رہے گی

صبا لاتی رہنا مدینے کی خوشبو
کلی میرے دل کی شگفتہ رہے گی

ثنائے نبی کی ردا اوڑھو انجم
سر حشر بن کر یہ سایہ رہے گی

☆

ربیع ثانیؔ

کرم نبی کا چمک رہا ہے ہنوز ماہِ تمام جیسا
جہاں میں کوئی نہ آئے گا اب ہمارے خیرالانام جیسا

زمانے بھر میں کسی کا ایسا ادب ہوا ہے نہ ہو سکے گا
اک ایک ساعت کرے ہے میرے رسول کا احترام جیسا

گداگر راہِ عام ہم ہیں ہماری کیا حیثیت ہے لوگو
نبی کے در پر ہے تاجدار جہاں بھی ادنیٰ غلام جیسا

سماعتوں پر جو رکھ دے انگلی، دلوں کی دنیا بدل کے رکھ دے
سنا نہ میں نے کلام کوئی کلام حق کے کلام جیسا

حبیب رب کریم وہ ہیں قسم خدا کی عظیم وہ ہیں
نبی بہت ہیں مگر نہیں ہے کوئی بھی خیرالانام جیسا

جو اپنے نانا کے اک اشارے پہ ہنس کے سر کو کٹا دے انجم
نہ بزم عالم میں کوئی دیکھا امام اعلی مقام جیسا

☆

ربیع ثانیؒ

سید دوسرا کی بات کریں
آؤ خیرالوریٰ کی بات کریں

جس نے بخشا ہے زندگی کا شعور
اُس رسولِ خدا کی بات کریں

ہے خدا و رسول کو بھی پسند
کیوں نہ غارِ حرا کی بات کریں

جس کا اخلاق سربسر قرآن
اُس شہہ انبیا کی بات کریں

جس نے امن و اماں کی رکھی بنا
آؤ اُس پیشوا کی بات کریں

جس سے قائم ہے روشنی کا نظام
آؤ اُس نقش پا کی بات کریں

وادیٔ جاں ہو عطربیز انجم
کوچۂ مصطفےٰ کی بات کریں

☆

ربیع ثانیؒ

اے خدائے ہر دوعالم بہر حسان رسول
میں بھی ہو جاؤں دل و جاں سے ثناخوانِ رسول

رحمت باری انہیں کے ساتھ رہتی ہے مدام
دل سے ہو جاتے ہیں لوگو جو غلامانِ رسول

کس طرح کوئی گھٹا سکتا ہے ان کی عظمتیں
جب بڑھاتا ہے خدائے پاک خود شانِ رسول

کاش مل جائے ہمیں بھی باریابی کا شرف
کاش طیبہ میں رہیں ہم بن کے مہمانِ رسول

خالق کونین کے محبوب ہو جاتے ہیں وہ
کس قدر خوش بخت ہوتے ہیں محبانِ رسول

حضرتِ نواب کی چوکھٹ پہ آکر دیکھ لو
بٹتا رہتا ہے یہاں ہر لمحہ فیضانِ رسول

کس لئے ہو خدشۂ روزِ جزا انجم مجھے
آ گیا قسمت سے میرے ہاتھ دامانِ رسول

☆

ربیع ثانیؒ

مٹ گئے کفر و ظلمت کے سارے نشاں
آج آئے جہاں میں رسولِ خدا
جن کو رب نے کیا رحمت دوجہاں
آج آئے جہاں میں رسولِ خدا

جھوم کر ابر رحمت برسنے لگا
مشک و عنبر سے عالم مہکنے لگا
کرۂ ارض ہے آج جنت نشاں
آج آئے جہاں میں رسولِ خدا

ذرے ذرے کے لب پر ہے صل علیٰ
سن کے ذروں سے یہ نغمۂ جانفزا
وجد میں آگئے ہیں زمیں آسماں
آج آئے جہاں میں رسولِ خدا

مہکی مہکی ہوئی ہے فضائے چمن
شاخ کی ہر کلی ہو گئی گلبدن
گونجیں بلبل کی گلشن میں کلکاریاں
آج آئے جہاں میں رسولِ خدا

قدسیوں کا زمیں سے بڑھا رابطہ
اور ابد تک رہے گا یہی سلسلہ
اب نہ ٹھہرے گا یہ نور کا کارواں
آج آئے جہاں میں رسولِ خدا

ہر صنم کفر کا ٹوٹ کر گر پڑا
سر بھی کعبہ کا تعظیم سے جھک گیا
رحمت حق کے دریا ہوئے ہیں رواں
آج آئے جہاں میں رسولِ خدا

آپ کا حکم بھی حکم رحمٰن ہے
آپ کی ذات تشریح قرآن ہے
کر کے ہوں گے عمل اس پہ سب شادماں
آج آئے جہاں میں رسولِ خدا

گرمیٔ حشر کا ہو ہمیں کیوں الم
سر پہ ہے شاہِ بطحیٰ کا ظل کرم
حشر میں سب کو انجم ملے گی اماں
آج آئے جہاں میں رسولِ خدا

منقبت شریف
(سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

ربیع ثانیؔ

ہونٹوں پہ ذکر آل شہ کائنات ہے
یہ منزلت نصیب ہے قسمت کی بات ہے

اے مومنو! یہ قولِ شہ کائنات ہے
عترت مری سفینۂ بحرِ نجات ہے

اس شان سے چلے ہیں سوئے کربلا حسین
عہد وفا رضائے خدا ساتھ ساتھ ہے

ہے یاد اس کو آج بھی اصغر تمہاری پیاس
شرمندہ تم سے آج بھی آب فرات ہے

ہر سمت ظلم و جبر کی کالی گھٹائیں ہیں
دن کربلا کا ہے کہ قیامت کی رات ہے

اے کربلا ! تو اپنے مقدر پہ ناز کر
آغوش میں تری بڑی پاکیزہ ذات ہے

پیغام دے رہی ہے یہ قربانیٔ حسین
مضمر اسی ممات میں رازِ حیات ہے

کتنا ہوں خوش نصیب کہ زہرا کے لال کی
مائل مری طرف نگہِ التفات ہے

اوقات ہی میں رہنا ذرا گردشِ زماں
تجھ کو پتہ ہے سر پہ مرے کس کا ہاتھ ہے

جن کو حسین کہتے ہیں کعبہ شریف ہیں
جس کو یزید کہتے ہیں وہ سومنات ہے

انجم جسے حسین کا غم ہوگیا نصیب
حاصل اسے تمام غموں سے نجات ہے

☆

منقبت شریف
درشان خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ

ربیع ثانیؒ

ہند کے تاجور معین الدین
اِس طرف اک نظر معین الدین

سر پہ ہیں اہل شر معین الدین
لو ہماری خبر معین الدین

آسمان و زمیں کو گھیرے ہوئے
ہے تمہاری نظر معین الدین

درمیاں دشت آتش سفاک
امن کا تم ہو گھر معین الدین

پیچ در پیچ راستے ہیں تو کیا
جب ہو تم راہبر معین الدین

تم جو چاہو بنے گا تاج محل
زندگی کا کھنڈر معین الدین

عزتوں عظمتوں کی محفل میں
سب سے اونچا ہو سر معین الدین

آفتابوں کو یہ خبر ہی نہیں
تم ہو میرا شجر معین الدین

شاخِ امن و اماں ہمارے لئے
ہوگئی بے ثمر معین الدین

مجھ کو اپنے حصار میں لے لو
مفتخر معتبر معین الدین

تم پہ تکیہ کئے ہے شام و سحر
انجم بے ہنر معین الدین

☆

منقبت شریف
(حضرت سیدنا خواجہ محمد حسن رحمۃ اللہ علیہ)

ربیع ثانی

درِ خواجہ حسن پر رحمت عالم کی رحمت ہے
بایں معنی زمانے میں بڑی ان کی فضیلت ہے

مرے سر کو بھی اس سنگ درِ والا سے نسبت ہے
سبب یہ ہے کہ ہمدوشِ ثریا میری قسمت ہے

غلامی مجھ کو بھی حاصل ہے اس در کے غلاموں کی
جو کام آئے گی محشر میں مرے پاس ایسی دولت ہے

جو جھکتا ہوں میں اس در پر عبادت اس کو مت کہئے
یہ میری بندگی ہے، مجھ کو بھی پاسِ شریعت ہے

چھپوں گا میں انہیں کے دامن رحمت میں محشر میں
مرے ایمان کا جز ہے جو یہ میری عقیدت ہے

نظر آتی ہے ان کے زیر سایہ عاطفت مجھ کو
کہ ان پہ سایہ افگن سید عالم کی عترت ہے

مرے آنسو بیاں کرتے ہیں ان پر حالِ دل اپنا
کہ سب ان پر نمایاں ہے جو میرے دل کی حالت ہے

ترا حربہ نہ چل پائے گا مجھ پر گردشِ دوراں
بحمد اللہ میرے سر پر ان کا دست شفقت ہے

پلٹ دیتے ہیں ہر موج بلا کو اک اشارے سے
مرے خواجہ کو اپنے چاہنے والوں سے الفت ہے

عقیدت مند انجمؔ آپ کے روضے پہ آتے ہیں
یہ دربارِ حسن واللہ اک گلزارِ جنت ہے

☆

مناقب
(حضور خواجہ سید نواب علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ)

ربیع ثانیؒ

چمک رہے ہیں سر آسماں شہ نواب
زمین والے کہاں اور کہاں شہ نواب

خدا کے فضل کا ہے سائباں تمہارے لئے
مقیم مسکن باغِ جناں شہ نواب

ہمیں بھی اپنا اتارا عطا کرو للہ
تمہارا پھولے پھلے گلستاں شہ نواب

تمہارے پاؤں کی ٹھوکر میں رکھا پتھر ہے
تمہارے واسطے تاج شہاں شہ نواب

جہاں بچھی ہے تمہارے وقار کی مسند
پہونچ نہ پائیں گی نظریں وہاں شہ نواب

مجھے یقین ہے خالی نہ جاؤں گا در سے
کھڑا ہوا ہوں سر آستاں شہ نواب

یہ میرا گھر ہے کہ شرمائے دشت بھی جس سے
کرم کی بارشیں کردو یہاں شہ نواب

علی کا خون تمہاری رگوں میں دوڑتا ہے
تمہیں ہو جانِ عطا بے گماں شہ نواب

تمہارے نام سے بنتے ہیں کام بگڑے ہوئے
ہماری ذات زیاں ہی زیاں شہ نواب

تمہاری راہ کے ذرات کہکشاں تمثال
تمہارا نقش قدم آسماں شہ نواب

تمہاری شبنم الطاف کی تمنا ہے
پھروں کہاں تلک آتش بجاں شہ نواب

مدد کرو کہ سنبھالے نہیں سنبھلتا ہے
غموں کا سر پہ ہے کوہِ گراں شہ نواب

پیام انجم بیتاب لے کے آیا ہوں
اگر ہو اذن تو کھولوں زباں شہ نواب

☆

ربیع ثانیؒ

دھوپ اوڑھے کون سر پہ سائباں ہوتے ہوئے
کیوں کہیں جاؤں تمہارا آستاں ہوتے ہوئے

کیا کرشمہ ساز تھی چشم عنایت آپ کی
ہم نے دیکھا ہے زمیں کو آسماں ہوتے ہوئے

سچ بتانا اس سخی دربار میں اے سائلو !
کیا نظر آئی تمنا رائیگاں ہوتے ہوئے

ہم کو کچھ مشکل نہیں ہے زندگی کا یہ سفر
ساتھ ان کی رحمتوں کا کارواں ہوتے ہوئے

اُن کے کوچے میں میسر ہیں سبھی آسائشیں
فکر دنیا کس لئے اپنا جہاں ہوتے ہوئے

عین ممکن ہے زباں کی لغزشیں رسوا کریں
کیوں بنوں عاصی میں اشکوں کی زباں ہوتے ہوئے

وصف ممکن ہی نہیں ہے حضرتِ نواب کا
کچھ نہ کہہ پاؤگے انجم خوش بیاں ہوتے ہوئے

☆

بابِ غزل

ادبستانِ عزیزیہ نوابیہ پبلیکیشنز

ربیع ثانیؒ

خونِ جگر سے دید کی شمعیں جلائیں ہم
دل جلوہ گاہِ حسن تجلی بنائیں ہم

قدموں سے اپنے گھر کو ضیاخانہ کیجئے
یہ صدمۂ فراق کہاں تک اٹھائیں ہم

آنکھوں میں اشک اور رخِ جاناں ہے سامنے
دردِ غمِ فراق کے قربان جائیں ہم

ہوگی کبھی تو ہم پہ نظر التفات کی
دیتے رہیں گے آپ کے در پر صدائیں ہم

اے کاش سنگ در پہ ترے لے کے جائے شوق
ایسے جھکیں کہ پھر نہ کبھی سر اٹھائیں ہم

خون جگر ہے کھانے کو، پیتے ہیں اشک غم
کیسے گزر رہی ہے تمہیں کیا بتائیں ہم

انجم تصورات کے عالم کی خیر ہو
پردے میں وہ جو آئیں تو پہچان جائیں ہم

☆

ربیع ثانیؒ

یہ ان کی محبت کا اثر دیکھ رہا ہوں
وہ جلوہ نما ہیں میں جدھر دیکھ رہا ہوں

ہر گوشے میں ہے جلوۂ جاناں کی سکونت
پرنور ہوا جاتا ہے گھر دیکھ رہا ہوں

وہ سامنے رہتے ہیں نگاہوں کے ہمہ وقت
یہ ان کی عطاؤں کا ثمر دیکھ رہا ہوں

بے چین کیئے رہتا ہے فرقت میں تمہاری
رہ رہ کے بڑھے دردِ جگر دیکھ رہا ہوں

کب دیکھیئے مائل بہ کرم ہو گل خوبی
اک عمر سے میں راہ گزر دیکھ رہا ہوں

یاد آگئے ماضی کے مناظر انہیں شاید
بیٹھے ہیں لئے دیدۂ تر دیکھ رہا ہوں

یہ ان کی نظر ہے کہ کوئی سیل بلا ہے
ڈھتا ہوا ہستی کا نگر دیکھ رہا ہوں

اے جلوۂ جاناں ترے دیدار کے طالب
بیٹھے ہیں سر راہ گزر دیکھ رہا ہوں

انجمؔ کیا سانسوں نے بھی انکارِ رفاقت
مشکل ہے اب آگے کا سفر دیکھ رہا ہوں

☆

ادبستان عزیزیہ نوابیہ پبلیکیشنز

ربیع ثانیؒ

خواب میں جو مرے آفاق گماں سے اٹھے
آنکھ کھلتے ہی وہ بن بن کے دھواں سے اٹھے

ہم نے آئینہ جہاں دل کا سجا رکھا تھا
سنگ ہاتھوں میں لئے لوگ وہاں سے اٹھے

ضبط غم ہی سے تبسم ہے مرے ہونٹوں پر
آہ پھر کیسے مرے سوزِ نہاں سے اٹھے

دیکھتے رہ گئے جلتا ہوا گھر میرا سبھی
شعلے جس وقت مرے جلتے مکاں سے اٹھے

ہم نے بھی سر سے کفن باندھ لیا ہے لوگو
پھر کوئی فتنہ نیا اور جہاں سے اٹھے

ہم نہ اٹھیں گے خفا ہو کے کبھی محفل سے
اور اٹھے بھی تو سمجھو کہ جہاں سے اٹھے

کٹ گیا نیند میں ہی عمر کا پل پل انجم
شام ہونے کو تھی جب خواب گراں سے اٹھے

☆

ربیع ثانیؒ

ہیں کہاں ظلمت عالم کو مٹانے والے
خونِ دل اپنا چراغوں میں جلانے والے

سب سے ملتے رہیں ہاں اتنا مگر دھیان رہے
دل ملاتے نہیں سب ہاتھ ملانے والے

حسن حصہ ہے جہاں کا تو حسیں بھی ہوں گے
گم ہوئے مہر کو آئینہ دکھانے والے

باطنی نور سے چہروں پہ چمک آتی ہے
اب بہت کم ہیں دیا دل کا جلانے والے

بات جب دار کی آئی تو ہوئے لب بستہ
میری آواز میں آواز ملانے والے

نازنیں ہم کو نہ مل پائے گا تیرے جیسا
کم نہیں ہوں گے ترے ناز اٹھانے والے

راہ پر خار بنا دے کہ مٹا نقش قدم
پا ہی لیں گے تجھے ہر حال میں پانے والے

نقش بر آب نہیں ہوں کہ فنا ہو جاؤں
مٹ گئے مجھ کو زمانے سے مٹانے والے

اب تو ہر شہر میں بسنے لگا صحرا انجمؔ
اب کہاں رہ گئے صحرا کو بسانے والے

☆

دبستان عزیزیہ نوابیہ پبلیکیشنز

ربیع ثانیؒ

آنسوؤں سے بجھ رہے ہیں غم کے ماروں کے چراغ
بے سہارا ہو رہے ہیں یوں سہاروں کے چراغ

وہ نہیں آئے بیاضِ صبح روشن ہوگئی
جلتے جلتے بجھ رہے ہیں بے قراروں کے چراغ

گلشن ہستی میں تم سے ہیں خزاں کی ظلمتیں
خون سے روشن کیئے ہم نے بہاروں کے چراغ

رخ ہواؤں کا بدل دیتا ہے طوفانوں میں کون
کون آندھی سے بچاتا ہے ہزاروں کے چراغ

نور والے قبر میں بھی ہر طرح فعال ہیں
ظلمتوں سے لڑتے ہیں ان کے مزاروں کے چراغ

آبلہ پا کوئی اس صحرا سے گزرا ہے ضرور
خار کی نوکوں پہ روشن ہیں ستاروں کے چراغ

میں بھی اک انجم ہوں رات آئی تو چمکوں گا ضرور
مندمل ہوتے نہیں ہیں شب گزاروں کے چراغ

☆

ربیع ثانیؔ

دو قدم چلتی ہے اور چل کر ٹھہر جاتی ہے رات
تیرگی سے منہ چھپائے کس کے گھر جاتی ہے رات

ہم خودی سے دور ہوجاتے ہیں ان کی یاد میں
بے خودی میں کون جانے کب گزر جاتی ہے رات

جب ابھر آتا ہے کوئی رات کا سورج کہیں
زندگی اپنی گنوا دینے سے ڈر جاتی ہے رات

جس طرح برسات میں کچے مکاں رکتے نہیں
بارشِ انوار سے یوں ہی بکھر جاتی ہے رات

تیری یاد آتے ہی کھل اٹھتی ہیں دل کی وادیاں
جس طرح مہتاب آنے سے نکھر جاتی ہے رات

سامنے ہوتا ہے میری زندگی کا ہر ورق
جب ترے صفحاتِ ماضی پر نظر جاتی ہے رات

''صبح منظر'' میں کبھی انجم ٹھہرتے ہی نہیں
آمد خورشید پر جیسے گزر جاتی ہے رات

☆

ربیع ثانیؒ

نہ سمجھ سکا میں اب تک یہ ادائے قاتلانہ
کبھی مسکرا کے ملنا ، کبھی مل کے روٹھ جانا

مرا شغل بادہ نوشی مرا ذوق عاشقانہ
مری زندگی کا حاصل ترے غم میں ڈوب جانا

میں بھٹک کے رہ نہ جاؤں کہیں منزل طلب سے
مجھے آزما رہا ہے سر راہ یہ زمانہ

یہی دونوں منزلیں ہیں مری زندگی کا حاصل
کبھی میرے سامنے تو ، کبھی تیرا آستانہ

تو رہے عزیز سب کو مجھے بھول جانے والے
مرے ساتھ تیری یادیں ، ترے ساتھ ہو زمانہ

مجھے کیا غرض ہے اس سے کہ زمانہ کیا کہے گا
مری بندگی یہی ہے ترے در پہ سر جھکانا

ترے پاس آ رہا ہے لئے شوقِ دید انجمؔ
کوئی پھر سے ڈھونڈ لینا مرے حیلہ جو بہانہ

☆

ربیع ثانیؔ

لفظوں کی منزلوں سے ، معنی کی رہ گزر سے
گزرا تری طلب میں جانے کدھر کدھر سے

تیرے فراق میں ہے ماتم کناں فضا بھی
موتی برس رہے ہیں موسم کی چشم تر سے

کی تیرے نقش پا نے یوں میری رہنمائی
روشن ہوئے اندھیرے گزرا ہوں میں جدھر سے

جب میں نے تجھ کو چاہا دنیا نے مجھ کو چاہا
اب کیسے سر اٹھاؤں میں تیرے سنگ در سے

پتھر سمجھ کے مجھ کو ٹھکرا رہی ہے دنیا
شاید گرا دیا ہے تونے مجھے نظر سے

اس کو گراں تھی میری پرواز میں نے سمجھا
کیوں چھیڑ کر رہا تھا صیاد بال و پر سے

پھولوں کی طرح کھا کر تازہ فریب انجم
ہنس کر گزر رہا ہوں کانٹوں کی رہ گزر سے

☆

ربیع ثانی

بستیوں میں صف ماتم نہ بچھاؤ لوگو
شہر کو شہر خموشاں نہ بناؤ لوگو

کیسا ماحول ہے بھائی کا ہے بھائی دشمن
ایسے ماحول کی دیوار گراؤ لوگو

یہ ضروری تو نہیں پھول چمن میں ہی کھلیں
اٹھو صحرا میں کوئی پھول کھلاؤ لوگو

کس لئے جینا ہے اور کس کے لئے جینا ہے
یہ سوال اپنے تئیں خود ہی اٹھاؤ لوگو

پہلے روشن تو کرو اپنے سیہ خانوں کو
پھر اندھیرے میں کوئی شمع جلاؤ لوگو

غم کی آنکھوں سے جو بکھرے ہیں زمیں پر انجم
چن کے دامن میں انہیں اپنے سجاؤ لوگو

☆

ربیع ثانیؔ

عہد ماضی کو اگر حال میں ، مَیں حل کردوں
سینۂ دہر میں پیدا ابھی ہلچل کردوں

تا کہ بھٹکیں نہ اندھیروں سے گزرنے والے
شوق کی راہ پہ روشن کوئی مشعل کردوں

پھر میں گھولوں گا سماعت میں خوشی کے نغمے
پہلے میں غم کا فسانہ تو مکمل کردوں

لوگ تنقید کے پہلو نہ نکالیں تجھ میں
آ غزل آ میں تجھے آج مدلل کردوں

میری آہوں کا اثر تم کو پتہ ہے انجمؔ
سازِ دل چھیڑوں تو پتھر کو بھی بیکل کردوں

☆

ربیع ثانیؓ

سیکڑوں غم ہیں ہماری اک خوشی کے ساتھ ساتھ
چل رہے ہیں پھر بھی ہم زندہ دلی کے ساتھ ساتھ

جب نہ مل پایا کوئی ہمدرد ، کوئی ہم سفر
میں اکیلا ہی چلا ہوں زندگی کے ساتھ ساتھ

یوں اچانک سامنے آنا قیامت تھا ترا
اشک آنکھوں میں امنڈ آئے خوشی کے ساتھ ساتھ

ہم ہی ناداں تھے نہ سمجھے اس نگاہِ ناز کو
تھا محبت کا تقاضا بے رخی کے ساتھ ساتھ

آشیاں کے واسطے ہم نے چنا جس شاخ کو
بجلیاں ٹوٹیں اسی پر روشنی کے ساتھ ساتھ

زندگی گزری ہوئی دیکھی تو آیا یہ نظر
کچھ تھے خوشیوں کے بھی پہلو بے کسی کے ساتھ ساتھ

چل رہے ہو راستہ انجمؔ مگر رکھنا خیال
موت بھی پیچھے لگی ہے زندگی کے ساتھ ساتھ

☆

ربیع ثانیؒ

ستم جب بھی توڑے ہیں مجھ پر کسی نے
کئی کروٹیں لیں مری زندگی نے

جو چہرے سے پردہ ہٹایا کسی نے
جھکایا ہے سجدے میں سر روشنی نے

مرا اپنا سایہ بھی دشمن ہے میرا
یہ دن بھی دکھائے مری مفلسی نے

دعائیں بھی دیں موت نے مجھ کو لیکن
مجھے مار ڈالا مری زندگی نے

نجانے دیا مجھ کو کوئے جنوں تک
مجھے مار ڈالا مری آگہی نے

چراغوں کو طوفاں کے رستے میں رکھا
اندھیرا کیا گھر میں خود آپ ہی نے

خبر ہم کو انجم نہیں ہم کہاں ہیں
کہاں لا کے چھوڑا ہے دل کی لگی نے

☆

ربیع ثانیؒ

انساں ہو ، اپنے آپ کو شیطان مت کرو
انسانیت کا چاک گریبان مت کرو

حسرت کو ، آرزو کو پشیمان مت کرو
پورا نہ ہو سکے جو وہ ارمان مت کرو

الجھا ہوا ہوں آج میں فکرِ سخن کے ساتھ
جاؤ بھی مجھ کو آج پریشان مت کرو

سوچوں کی رہ گزر سے نکلنا محال ہے
تم اپنے ذہن و فکر کو حیران مت کرو

حکم خدا یہی ، یہی انسانیت بھی ہے
احسان جب کرو تو پھر اعلان مت کرو

تم جس پہ ہو سوار وہ کاغذ کی ناؤ ہے
نادانیاں اب ایسی مری جان مت کرو

انجم خلوص ہی تو متاعِ حیات ہے
تم زندگی کو بے سر و سامان مت کرو

☆

رباعیات

سکوں ملے نہ جہاں کیوں وہاں قیام کروں
میں اپنے آپ پہ کیوں زندگی حرام کروں

کنارہ کش رہوں دیر و حرم کے جھگڑوں سے
میں اپنی زیست کا ہر لمحہ تیرے نام کروں

ترے ہی نقش کف پا کو مان کر کعبہ
قدم قدم پہ جھکوں سجدۂ دوام کروں

مرے خدا رہے تیرا ہی ذکر سارا دن
سکوتِ شب میں بھی تجھ سے ہی میں کلام کروں

تری گلی کا تو ہر گوشہ عکس کعبہ ہے
کہاں رکوع کروں میں کہاں قیام کروں

خود آفتاب ہے میرے حریم جاں میں مقیم
فضول ہے جو چراغوں کا اہتمام کروں

ترے خیال میں ڈوبا رہوں میں ہر لمحہ
اسی میں صبح کروں میں اسی میں شام کروں

خبر ہو مجھ کو اگر اپنے وقت آخر کی
جہاں کہے تو وہیں زندگی تمام کروں

جلا کے شمع وفا و خلوص اے انجم
شب حیات کی تیرہ شبی تمام کروں

☆

ربیع ثانؒ

جب بھی میخانے میں ساقی نے بلایا ہے مجھے
اوج پر اپنا نصیبہ نظر آیا ہے مجھے

حشر کے دن بھی نہ اترے گا مرے سر سے خمار
اس نے آنکھوں سے وہ پیمانہ پلایا ہے مجھے

جمع پونجی ہے مری زیست کی میرا ماضی
اس کی یادوں نے بہت خون رلایا ہے مجھے

جس کو چھو لیتا ہوں آئینے میں ڈھل جاتا ہے
یہ ہنر میرے بزرگوں نے سکھایا ہے مجھے

بات کل کی ہے جو نفرت سے مجھے تکتے تھے
ان رقیبوں نے ہی کاندھوں پہ اٹھایا ہے مجھے

چھٹ گئے ہیں مرے سینے سے غموں کے بادل
بڑھ کے جب آپ نے سینے سے لگایا ہے مجھے

مجھ سے کترا کے گزرتے رہے احباب مرے
یہ بھی منظر مری غربت نے دکھایا ہے مجھے

جب بھی ہچکی مجھے آئی ہے سر راہِ حیات
یوں لگا ، تم نے صدا دی ہے ، بلایا ہے مجھے

جب بھی بھٹکے ہیں قدم راہِ وفا میں انجم
نقش پا نے ترے رستے پہ لگایا ہے مجھے

☆

ربیع ثانیؒ

زعم و انا سے اپنے نکل کر بھی دیکھنا
پُر خار رہ گزار پہ چل کر بھی دیکھنا

چہرے سے جب بھی پردہ ہٹائے مہہ تمام
اس آسمانِ حسن کا منظر کا بھی دیکھنا

لب پر ہنسی ہے دل میں چھپائے ہوئے ہیں غم
دل میں کبھی کسی کے اتر کر بھی دیکھنا

زمرے میں دوستوں کے بھی دشمن نہیں ہیں کم
ہوگا کف حبیب میں خنجر بھی دیکھنا

آنکھیں کھلیں تمہاری جو پھولوں کی سیج پر
کانٹوں بھرا ہوا مرا بستر بھی دیکھنا

قدموں میں اس کے پہونچے گی میری بھی زندگی
پائے گا اوج میرا مقدر بھی دیکھنا

انجم کو کیوں کیا گیا پتھر سے آئینہ
اب ہر طرف سے آئیں گے پتھر بھی دیکھنا

☆

ربیع ثانیؒ

روبر آئینہ رکھئے تو سجھائی دے گا
رُخ کا ہر عیب و ہنر صاف دکھائی دے گا

ایک آہن سے ہی کٹتا ہے جگر آہن کا
میرا غم ہی مجھے اب غم سے رہائی دے گا

میرے بارے میں غلط رائے نہ قائم کرنا
اتنا دیکھوگے ، تمہیں جتنا دکھائی دے گا

ساتھ غربت میں تو سایہ بھی نہیں دیتا ہے
تو سمجھتا ہے ترا ساتھ یہ بھائی دے گا

چیختا ہوں تو نہیں سنتا کوئی میری صدا
کچھ نہ بولوں گا تو دنیا کو سنائی دے گا

میرا احساس ہی جب ہونے لگا میرے خلاف
میری جانب سے بھلا کون صفائی دے گا

عدل و انصاف کو آجائے گا لرزہ انجم
جب سرِ دار یہ سر میرا دکھائی دے گا

☆

ربیع ثانیؒ

اکثر میری راہ میں بوئے کانٹے بونے والوں نے
صحرا صحرا پھول کھلائے میرے پاؤں کے چھالوں نے

شیطانوں کو انسانوں کی کھال میں ہم نے دیکھا ہے
خون کی ہولی مل کر کھیلی بھارت کے رکھوالوں نے

پاسِ ادب اندھوں کو کیوں ہو بہنوں کے اس رشتے کا
اپنے منہ پر کالک پوتی دیکھو کتنے سالوں نے

جاگ رہے تھے جاگنے والے بس سونے کا ناٹک تھا
نیند نہ ٹوٹی لاکھ جگایا فریادی کے نالوں نے

وقت کا پانسہ ایسا پلٹا سب مکاری بھول گئے
پھر یہ ہوا ہے ، منہ کی کھائی اونچا بولنے والوں نے

ریزہ ریزہ ہوکر انجمؔ آخر انجم ہی نکلا
اس شیشے کو توڑ کے دیکھا شیشہ توڑنے والوں نے

☆

ربیع ثانیؒ

عمر بھر یادوں کا تیری سلسلہ رہ جائے گا
تو نہیں تو زندگی میں اک خلا رہ جائے گا

کیا خبر تھی یوں بچھڑ جائیں گے اک دوجے سے ہم
کیا خبر تھی درمیاں اک فاصلہ رہ جائے گا

روٹھ کر او جانے والے یہ بھی سوچا ہے کبھی
تو نہیں ہوگا تو میرے پاس کیا رہ جائے گا

لے گیا مجھ سے وہ ظالم میرا سب کچھ چھین کر
یاد مجھ کو عمر بھر یہ سانحہ رہ جائے گا

لاشعوری طور پر تجھ سے کروں گا گفتگو
آئینہ حیرت سے مجھ کو دیکھتا رہ جائے گا

کام اے انجم وہ کر کے جائیں گے ہم دہر میں
ہم نہیں ہوں گے ، ہمارا تذکرہ رہ جائے گا

☆

رنیع ثانیؔ

بزم احباب میں یہ مرحلے اکثر آئے
آئینہ جب بھی دکھایا ہے تو پتھر آئے

خیر و شر میں تو رہے تھے وہ برابر کے شریک
اور الزام جو آئے تو مرے سر آئے

جی میں آیا مرے میں بڑھ کے بلائیں لے لوں
جب بدل کر وہ مرے سامنے تیور آئے

شہر میں اور نہیں پوچھنے والا کوئی
ایسا سیلاب بلا آئے مرے گھر آئے

ایک قطرہ ہی سہی آئے مری جانب بھی
جوش میں جب تری رحمت کا سمندر آئے

آرزو یہ ہے کہ جب بھی ترے ہاتھوں سے چلے
راستے میں ترے پتھر کے مرا سر آئے

بے دلی ، بے رخی ، مایوسی ، پریشانی ، غم
ان کی قربت سے ہم انجم یہی لے کر آئے

☆

ربیع ثانیؒ

حیران آگہی ہے جنوں بدحواس ہے
یہ زندگی کے جسم پہ کیسا لباس ہے

ہیں شیخ محترم کے لئے یہ صراحیاں
میرے نصیب میں تو فقط اک گلاس ہے

پردے محبتوں کے ہیں یہ قہر یہ غضب
میری نگاہ بھی تو طبیعت شناس ہے

واللہ اس وجہ سے بہکتے نہیں قدم
اس کا خیال دل کے بہت آس پاس ہے

سچ ہے یقیں ، یقین ہے ، اور ہے گماں گماں
میں مطمئن نہیں ہوں ، جہاں کا قیاس ہے

دب سا گیا ہے اس کی عنایات کے تلے
پھر بھی حریص میرا دلِ ناسپاس ہے

حاضر ہوں ، پر خلوص اگر حکم ہے ترا
انکار ، جو غرض سے بھرا التماس ہے

تیری عنایتوں سے تو انجم ہے مطمئن
ناقدریٔ زمانہ سے تھوڑا اداس ہے

☆

ربیع ثانیؒ

ساقی نے میکدے میں جب سامنے جام رکھ دیا
رند نے بھی سر نیاز گام بہ گام رکھ دیا

آنکھوں سے پی رہا تھا میں حسن کرم کی بات تھی
اس نے نگاہ پھیر لی میں نے بھی جام رکھ دیا

اُس نے کہا گنایئے اپنی شکایتیں تمام
ہم نے بھی لکھ کے خون سے اپنا کلام رکھ دیا

دیکھا جو میرا حوصلہ راہ نے پاؤں پر مرے
اپنا سر نیاز بھی کر کے سلام رکھ دیا

انجم بے طلب ہوں میں عشق ہے میرا بے طلب
اہل نظر نے آرزو کیوں مرا نام رکھ دیا

☆

ربیع ثانؒ

جہاں جہاں ترا حسن خیال رکھا ہے
وہاں وہاں ترے رب کا جلال رکھا ہے

وہی سلیقہ ضروری ہے دیدہ ور کے لئے
کہ جس سلیقے سے اس نے کمال رکھا ہے

کہاں سے ڈھونڈ کے لائے کوئی تمہاری مثال
خدا نے تم کو بڑا بے مثال رکھا ہے

سنبھل سنبھل کے بڑھانا قدم سوئے منزل
انا کی راہ میں پل پل زوال رکھا ہے

زمانہ کہتا ہے جس کو کہ دید کا موسم
وہ اس نے وعدۂ فردا پہ ٹال رکھا ہے

نظر نظر ہے یہاں بے قرارِ حسن و جمال
نقاب اس نے مگر رخ پہ ڈال رکھا ہے

نجانے کتنے ہیں طوفاں درونِ خانۂ دل
مگر ہنوز یہ چہرہ بحال رکھا ہے

پیئے گا دودھ تو اُگلے گا زہر اے انجم
یہ آستین میں کیا تم نے پال رکھا ہے

☆

نوابیہ عزیزیہ ادبستان پبلیکیشنز

ربیع ثانیؔ

باندھ لے اپنا رخت سفر زندگی
دن ٹھہرنے کے ہیں مختصر زندگی

یہ نہیں میکدہ یہ ہے راہِ عدم
توبہ ! توبہ سے کیوں ہے مفر زندگی

اک طرف میکدہ ، اک طرف ہے حرم
ہے تذبذب میں شام و سحر زندگی

سنگ در جب سے چھوٹا ترا اے صنم
ہو گئی کس قدر در بدر زندگی

عشق کی کس کو معراج حاصل ہوئی
کس پہ ہے سنگ باری اِدھر زندگی

میں بھی ہوں اک تمنا کا مارا ہوا
میری جانب بھی دیکھ اک نظر زندگی

بادباں کشتیوں کے جلا دیجئے
چھوڑیئے اب اِدھر یا اُدھر زندگی

رحم کی التجا اور صیاد سے
جس نے کاٹے مرے بال و پر زندگی

کون منصور کہلائے انجم یہاں
اور ہیں دار پر کس کے سر زندگی

☆

ربیع ثانیؔ

یہ زندگی ہے اگر بے ثبات ، رہنے دے
نہ کر خدا کے لئے التفات ، رہنے دے

مری حیات کی رنگینیوں کو لیتا جا
تری حیات کے سب حادثات رہنے دے

بہت ہے میرے لئے واعظا ! مری دنیا
میں کیا کروں گا تری کائنات ، رہنے دے

یہ راہِ عشق ہے چلتا رہوں گا میں اس پر
بہت ہیں اس میں اگر حادثات رہنے دے

(ق)

ہیں اس میں سانپ بھی اور مکڑیوں کے جالے بھی
الجھ نہ جائے کہیں تیری ذات رہنے دے

تجھے ہے گم شدگی کا جو خوف ہمراہی
تو میرے ہاتھ میں تو اپنا ہاتھ رہنے دے

یہی اندھیرے ہیں سرمایۂ حیات انجمؔ
نہ کر اجالا مرے دن کو رات رہنے دے

☆

ربیع ثانیؒ

صحرا کو خونِ دل سے ہرا کر رہا ہوں میں
نکہت فزا جہاں کی فضا کر رہا ہوں میں

تم لوگ جانتے نہیں کیا کر رہا ہوں میں
ہستی کو آرزو میں فنا کر رہا ہوں میں

ہے چور چور جسم مرا ، روح تار تار
یوں زندگی کا قرض ادا کر رہا ہوں میں

فرسودہ یہ خیال سہی ، ضبط کیجئے
اردو زباں کی فکر بقا کر رہا ہوں میں

اوڑھے ہوئے ہوں سر پہ ہواؤں کی چادریں
جلتے دئے کو نذرِ ہوا کر رہا ہوں میں

ان کو طرح طرح کی جفاؤں پہ ناز ہے
مجھ کو یہ فخر ہے کہ وفا کر رہا ہوں میں

کچھ کم ہوئے ہیں ظلم و ستم خاکسار پر
کم التفاتیوں کا گلہ کر رہا ہوں میں

انجم نصیب ہوگئی معراجِ بندگی
مرشد کے در پہ سجدہ ادا کر رہا ہوں میں

☆

ادبستان عزیزیہ نوابیہ پبلیکیشنز

ربیع ثانؒی

خانۂ دل کو پُر انوار بنائے رکھنا
میری چاہت کے دیئے دل میں جلائے رکھنا

ورنہ ڈھ جائے گا برسات سے دل کا ایوان
بھیگی پلکوں کو تبسم میں چھپائے رکھنا

میری تصویر سے کر لینا تصور میرا
اپنی بیتاب امنگوں کو جگائے رکھنا

مجھ کو جینے کی دعا دو یہ ضروری تو نہیں
بس دکھاوے کے لئے ہاتھ اٹھائے رکھنا

میں شبستاں میں دبے پاؤں چلا آؤں گا
اپنے خوابوں کے جھروکوں کو سجائے رکھنا

آئینہ رکھ کے مقابل شب تنہائی میں
کچھ نہ کچھ جینے کا ماحول بنائے رکھنا

روز و شب میرا یہ معمول رہا ہے جاناں
سنگ در سے ترے پیشانی لگائے رکھنا

تم کو تنہائی کا احساس نہ ہوگا انجم
میری یادوں کی مہک دل میں بسائے رکھنا

☆

ربیع ثانیؒ

یاد آئے جو مری طرز بیانی ، کہنا
چند لفظوں میں زمانے کی کہانی کہنا

وعدۂ وصل کو کہنا مری صبح امید
ٹوٹے پیماں کو مری شام سہانی کہنا

یہ نہ ہو زلف کو سہلا کے اشارہ کر دے
اے صبا ان سے مرا حال زبانی کہنا

یاد میں ان کی ان آنکھوں سے گرے ہیں آنسو
بھول کر بھی نہ کہیں تم انہیں پانی کہنا

مجھ سے قائم ہے زمانے میں محبت کا بھرم
اس ندی میں ہے مرے دم سے روانی کہنا

ہر طرح حکم کا پابند ، اشاروں کا غلام
تم کو مل جائے کہیں جو مرا ثانی کہنا

دوستو تم سے اگر پوچھیں وہ انجم ہے کہاں
کر گیا دہر سے وہ نقل مکانی کہنا

☆

ربیع ثانی

تم ہی بتلاؤ میں کب تک یہ تماشا دیکھوں
موسم گل میں بھی یہ رنگ خزاں کا دیکھوں

ایک میں ہی نہیں ہر شخص ہے پابند نصیب
گردش وقت کا ہر ذات پہ پہرہ دیکھوں

دل مرا زندہ رہے یا نہ رہے کیا پروا
دل مگر گردش دوراں کا نہ میلا دیکھوں

اب کہاں جاؤں کسے اپنا کہوں کس سے ملوں
خود کو میں بر سر محفل بھی اکیلا دیکھوں

یا خدا چھین لے اب مجھ سے مری بینائی
دیکھ کر ان کو ان آنکھوں سے میں اب کیا دیکھوں

تیرے چہرے سے بھلا چاند کو نسبت کیا ہے
چاند کو میں تری چوکھٹ پہ اترتا دیکھوں

یہ بھی دن دیکھنے باقی تھے مجھے عمرِ رواں
ان کو موسم کی طرح رنگ بدلتا دیکھوں

جب تری یاد شبِ غم مجھے تڑپاتی ہے
اپنی پلکوں پہ میں اشکوں کو مچلتا دیکھوں

یاد آجاتا ہے برسات کا موسم مجھ کو
جب ترے دوش پہ زلفوں کو بکھرتا دیکھوں

دوستو ! اس کو ہی کہتے ہیں مقدر کا لکھا
وہ سمندر میں ہے پھر بھی اسے پیاسا دیکھوں

کس جتن سے مرے اسلاف نے کی بست و بنت
کیسے شیرازۂ ملت کو بکھرتا دیکھوں

باریابی ترے قدموں میں اگر مل جائے
پھر تو میں خود کو بھی ہمدوشِ ثریا دیکھوں

دلِ انجم میں بھی تھوڑا سا اجالا بھر دے
تیرے کوچے میں مَیں انوار برستا دیکھوں

☆

ربیع ثانیؒ

مری نظر سے اسے اجتناب آج بھی ہے
مرے حبیب کے رخ پر نقاب آج بھی ہے

حسین چہرے پہ غازہ جناب آج بھی ہے
جھکی جھکی سی نظر لاجواب آج بھی ہے

ہے احتیاج تو بس ایک چشم بینا کی
وہ خود میں ایک مکمل کتاب آج بھی ہے

سہم اٹھیں گے یہ سیارگانِ ہفت افلاک
مری اڑان میں وہ آب و تاب آج بھی ہے

تو آ گیا ہے تو آ رکھ قدم مرے دل میں
ترے لئے تو کھُلا دل کا باب آج بھی ہے

زمانے بھر کے لئے ہوگا بحر بے پایاں
مگر وہ میرے لئے اک سراب آج بھی ہے

زمین دل پہ جو تم نے شجر اگایا تھا
اسی کی شاخ پہ تازہ گلاب آج بھی ہے

سبھی کی کھیتیاں سیراب ہوگئیں انجم
مری زمین پہ سوکھا سحاب آج بھی ہے

☆

ربیع ثانی

زخم دل اپنا زمانے کو دکھانے سے رہے
چھپ کے تنہائی میں بھی اشک بہانے سے رہے

تم تو رخصت ہوئے ویرانہ سمجھ کر اس کو
ہم مگر دل کا مکاں چھوڑ کے جانے سے رہے

ایک مجمع ہے مرے جلتے مکاں کے آگے
دیکھنے والے مگر آگ بجھانے سے رہے

خار نفرت کے اگانے میں مہارت ہے تمہیں
شاخ احساس پہ تم پھول کھلانے سے رہے

اس کے دامن پہ نمایاں ہیں لہو کے دھبے
پھر بھی قاتل پہ ہم الزام لگانے سے رہے

سچ کا انجام بھی معلوم ہے ہم کو لیکن
کیا کریں ہم کہ حقیقت بھی چھپانے سے رہے

ہم نواؤ ! مری امید کا محور تم ہو
رہبر قوم تو آئینہ دکھانے سے رہے

حوصلہ تم ہی دکھا سکتے ہو ایسا انجم
لوگ آندھی میں چراغوں کو جلانے سے رہے

☆

ربیع ثانیؔ

چال چلے ہے ایسی چھلیا باغ میں آگ لگائے ہے
ہم دیوانوں کو صحرا میں گلشن کا غم کھائے ہے

کب ہتھیارا کوئی اپنی کرنی پر پچھتائے ہے
بھیڑیا بھیڑ کی کھال پہن کر پھر بستی میں آئے ہے

آبلہ پا ہی گزرا ہوگا ان پتھریلی راہوں سے
اور کسی کے چھالوں سے کب ہریالی مسکائے ہے

چپکے چپکے اندر آ کر آنکھوں کے گلیارے سے
کوئی لٹیرا میرے دل کا بھید چرا لے جائے ہے

ڈال دے اپنے حسن کا صدقہ ڈال دے اپنے روپ کی بھیک
ایک بھکاری تیرے در پر دامن کو پھیلائے ہے

وقت ہے اب بھی ہوش میں آ جا سیدھا رستہ چل ظالم
رفتہ رفتہ رفتہ پاپ گھڑا بھر جائے ہے

یاد اسے آیا ہے شاید روز اول کا پیمانہ
دیکھ نشیلی آنکھیں تیری انجم مچلا جائے ہے

☆

ربیع ثانؒ

کون آیا ہے ادھر نیر تاباں بن کر
محو حیرت ہیں سبھی دیدۂ حیراں بن کر

چاندنی اوڑھے ہوئے آئی ہیں یادیں تیری
کہکشاں رہتی ہے گھر میں مرے مہماں بن کر

مجھ کو احساس دلاتا ہے مرے ہونے کا
کوئی رہتا ہے مرے دل میں رگ جاں بن کر

میں نہ کہتا تھا ابھی قصۂ ماضی کو نہ چھیڑ
اشک پلکوں پہ ابھر آئے ہیں طوفاں بن کر

شب تیرہ پہ یہاں کس کی ضیا بکھری ہے
کون تابندہ ہوا ہے مہ خوباں بن کر

کس نے پرنور کیا اپنے سیہ خانے کو
خونِ دل کس کا جلا شمع فروزاں بن کر

اے ستم پیشہ یہ اندازِ تکلم تیرا
دل میں پیوست ہوا خارِ مغیلاں بن کر

خونِ ناحق پہ اتر آئیں جفائیں انجم
رہ گئے شہر بھی اب شہر خموشاں بن کر

☆

ربیع ثانیؒ

روٹھ کر جائے گا مجھ سے تو کدھر جائے گا
آنکھ سے دور نہ ہو دل سے اتر جائے گا

میں سرِ دار بھی پابند وفا بن کے رہا
کیا خبر تھی تو ہی وعدے سے مکر جائے گا

دھوپ اوڑھے ہوئے منزل کی طرف نکلا ہوں
راستہ برف پگھلنے سے نکھر جائے گا

حادثے خوف زدہ ہیں مری پامردی سے
مجھ سے طوفان بھی کترا کے گزر جائے گا

ہم سفر کوئی نہیں ، زادِ سفر کچھ بھی نہیں
لے کے منزل پہ مجھے عزم سفر جائے گا

تیغ ہاتھوں میں نہ دو بس یہ قلم رہنے دو
لفظ خنجر کی طرح دل میں اتر جائے گا

آئینہ نکلا ہے پتھریلی گزرگاہوں سے
ٹوٹ جائے گا تو راہوں میں بکھر جائے گا

وقت بھی میرا رفاقت میں ہے سرگرم سفر
رک گیا میں تو زمانہ بھی ٹھہر جائے گا

یاد ماضی بھی دبے پاؤں چلی آئی ہے
اشک غم پھر مری پلکوں پہ ٹھہر جائے گا

ان سے کیا ہوگا علاجِ غمِ ہستی انجم
ساتھ میرے یہ مرا دردِ جگر جائے گا

☆

ربیع ثانیؒ

اس زندگی کے رخ پہ عجب اہتمام ہے
دل میں کچھ اور لب پہ تبسم مدام ہے

شاہ و گدا میں فرقِ مراتب نہیں یہاں
اے شیخ غیریت یہاں مطلق حرام ہے

کم ظرف بادہ نوش ہے محروم دیدہ ور
میخانۂ حیات کا الٹا نظام ہے

عیش و طرب میں بھول گئے رب کی بندگی
محو نشاط ! شرم و حیا کا مقام ہے

یاد خدا بھی دل سے گئی بندگی کجا
انسان اپنے نفس کا کتنا غلام ہے

دیوار گر چکی ہے انا کی تو اے رفیق
اب یہ مکاں مکاں نہیں اک راہِ عام ہے

اک بت کی نذر ہیں مرے لمحاتِ زندگی
انجم یہی ہے صبح یہی میری شام ہے

☆

ربیع ثانیؒ

جلوہ گاہیں بھی نہیں ، جلوۂ جاناں بھی نہیں
ہائے کیا کیجئے تسکین کا ساماں بھی نہیں

جس کو دیکھو وہ تجھے سجدہ کئے جاتا ہے
کیا تری بزم میں اک صاحب ایماں بھی نہیں

کیا ہوا بزم گلستاں تری رعنائی کو
عندلیبوں میں کوئی آج غزل خواں بھی نہیں

آبلہ پا ہوں ، کڑی دھوپ ہے ، رستہ پرخار
سر پہ سایہ کے لئے اب کوئی داماں بھی نہیں

اب ہے بیمارِ غم دل کا خدا ہی حافظ
وہ مسیحا جو نہیں درد کا درماں بھی نہیں

دل کے سب پھول جسے دیکھ کے کِھل جاتے تھے
اب وہ پہلے سا کہیں رنگ گلستاں بھی نہیں

میں گدا ہوں تو فقط ایک ہی در کا انجم
غیر کا مجھ پہ کسی طرح کا احساں بھی نہیں

☆

ربیع ثانی

اوج پر آج مری ذات کا معیار لگے
سارا عالم ہی مجھے میرا خریدار لگے

سوچئے سوچئے کیا ہوں گے شب و روز مرے
میرا قاتل ہی مجھے جب مرا غمخوار لگے

خود ہی خارج ہوا دعویٰ مرا جاں بخشی کا
میرے احباب ہی جب تیرے طرفدار لگے

پھر ستاتے ہیں انہیں خوابِ پریشاں شاید
ان کے چہرے سے پریشانی کے آثار لگے

جی میں آتا ہے یونہی زلف سنواروں تیری
پیکر حسن تو آئینے میں شہکار لگے

قوس کھینچے ہوئے لیتے ہیں وہ انگڑائی اُدھر
اور سایہ سا ابھرتا پسِ دیوار لگے

پُر کشش اتنا ہے محبوب ترا حسن و جمال
ہر کوئی تیری محبت میں گرفتار لگے

جب بھی دیکھا ہے حقیقت کی نظر سے انجمؔ
جتنے دیوانے ہیں تیرے مجھے ہشیار لگے

☆

ربیع ثانیؔ

شام ڈھلے پھن پھیلاتی ہے ہرسو ناگن جیسی رات
ڈس لیتی ہے کتنوں کو تنہائی کی زہریلی رات

پلکوں کی رم جھم بارش سے بجھ جاتی ہے دل کی آگ
موسم بھیگا ہو جاتا ہے ہو جاتی ہے گیلی رات

ہاتھ میں ہاتھ لئے جب نکلیں پیار میں ڈوبے دل والے
رگ رگ کو گرما دیتی ہے پریت کی یہ برفیلی رات

اپنے گھروں کے روزن شب کو بند ہی رکھنا بہتر ہے
جانے کس رستے گھس آئے اندر کالی کالی رات

تنہائی کے شہزادوں سے نیند بھی آنکھ چراتی ہے
ان کے بستر پر آ آ کر کھیلے آنکھ مچولی رات

ہم تو ایک دیئے کی صورت جل اٹھتے ہیں شام ڈھلے
ذہن کے پردوں پر آتی ہے گزری ایک نشیلی رات

ساری رات گزر جاتی ہے انجم کی سلجھانے میں
شام ہوئی اور آجاتی ہے بن کر ایک پہیلی رات

☆

ربیع ثانی

ہو کے مایوس عرش بریں سے
رات روئی لپٹ کر زمیں سے

واعظو ! کھیلنا چھوڑو دیں سے
ورنہ محشر اٹھے گا یہیں سے

جا بجا کیوں پڑے ہیں یہ پتھر
آیا پاگل کوئی کیا کہیں سے

ہر طرف کیوں کھنچی ہیں کمانیں
آئی کیا حور خلد بریں سے

منتظر ایک مدت سے ہوں میں
نامہ بر کہہ دے پردہ نشیں سے

آئینے جس جگہ ہم نے رکھے
آئے پتھر بھی ہم پر وہیں سے

تیرگی بو رہے ہیں جو ناداں
کیا اگائیں گے سورج زمیں سے ؟

اس کو معراج الفت ملی ہے
خون ٹپکا ہے جس کی جبیں سے

راستہ ہم کو دکھلانے والے
راستہ پوچھتے ہیں ہمیں سے

جس کے ذمے ہے ٹپکے گا اک دن
خونِ انجمؔ اُسی آستیں سے

☆

رُبیع ثانیؔ

کوئی انسیت کا پہلو نظر آئے تو کہاں سے
میں اِدھر ہوں بدگماں سا وہ اُدھر ہیں بدگماں سے

مجھے تہمتیں ملیں بھی تو ملیں کہاں کہاں سے
کبھی گردش زمیں سے کبھی دورِ آسماں سے

جنہیں میں سمجھ رہا تھا ہیں رواں دواں سمندر
جو طلسم خواب ٹوٹا نظر آئے وہ دھواں سے

گری جب بھی برقِ فتنہ مرا آشیاں ہدف تھا
کوئی دشمنی تھی شاید اسے میرے آشیاں سے

رہے بند ہونٹ میرے کہ نظر سے گفتگو تھی
بڑی مشکلوں سے واقف وہ ہوئے مری زباں سے

میں سفیر آسماں ہوں مدد اے امید منزل
کہ الجھ کے رہ نہ جاؤں میں غبارِ کہکشاں سے

مری فکر ہے گلستاں ، مری فکر بوستاں ہے
میں ''بہار آفریں'' ہوں مجھے کیا غرض خزاں سے

جو زمیں پہ جستہ جستہ ہوئے ضوفشاں یہ انجم
تھے تعلقات ان کے کبھی شمع آسماں سے

☆

ربیع ثانیؒ

غم کے طوفانوں کو پلکوں پر سجاتے جایئے
آہ و زاری ہی سہی طوفاں اٹھاتے جایئے

دشمنی کی خشت اول ہے میاں یہ دوستی
دوست بنتے جایئے دشمن بناتے جایئے

دور ہی رہیئے مری ہستی سراپا آگ ہے
یوں مرے سائے سے بھی دامن بچاتے جایئے

فطرتاً گل پاش ہوں تقسیم گل ہے میرا کام
آپ میری راہ میں کانٹے بچھاتے جایئے

ماہ رو دیں گے کچوکے نت نئے انداز سے
سر اٹھاتے جایئے یا سر جھکاتے جایئے

زندگی کے ہر ورق پر تلخیاں ہی درج ہیں
ان کو پڑھتے جایئے اور مسکراتے جایئے

پتھروں کا شہر ہے پتھر تو آئیں گے ضرور
ہو سکے تو آپ آئینہ دکھاتے جایئے

منتظر ہے کب سے انجمؔ لذت دیدار کا
بے حجابانہ اسے مکھڑا دکھاتے جایئے

☆

ربیع ثانیؒ

کوئی بھی راہِ غلط اختیار مت کرنا
عروسِ دہر سے تم آنکھیں چار مت کرنا

بوقت نزع کوئی کہہ کے ہوگیا رخصت
اب اس کے بعد مرا انتظار مت کرنا

بھٹک نہ جانا اندھیری گلی کا نکڑ ہے
اور اپنی ذات کو یوں شرمسار مت کرنا

قدم قدم پہ ہیں آلائشیں زمانے کی
ردائے زیست کہیں داغدار مت کرنا

تمہارا کام ہی نفرت کے خار بونا ہے
کبھی چمن کی فضا خوشگوار مت کرنا

خود اپنے جیب و گریباں کا بھی خیال رہے
کسی کے جیب کو تم تار تار مت کرنا

اک اعتدال پہ رکھنا خیال کی پرواز
ہوا کے دوش پہ اس کو سوار مت کرنا

انا پرستوں سے اک فاصلہ رہے انجم
تم اپنے آپ کو ان میں شمار مت کرنا

☆

ربیع ثانیؔ

ہم جوشِ جنوں میں کبھی بہکا نہیں کرتے
اوروں کی طرح عشق کو رسوا نہیں کرتے

جو زہر ہلاہل کو بھی پی جاتے ہیں ہنس کر
وہ گردشِ ایام کا شکوہ نہیں کرتے

منزل بھی انہیں کی ہے، سفر بھی ہے انہیں کا
تھک ہار کے سائے میں جو ٹھہرا نہیں کرتے

اے جانِ جہاں ہم جو ترے در پہ کھڑے ہیں
سر اپنا کسی در پہ جھکایا نہیں کرتے

نکلے ہیں وہ خورشید کو آئینہ دکھانے
خود اپنے گھروں میں جو اجالا نہیں کرتے

غم تو ہے بہت ان کو مصیبت کا ہماری
زنداں میں مگر کوئی دریچہ نہیں کرتے

یادوں سے تری بزم سجا لیتے ہیں انجمؔ
خلوت میں بھی ہم خود کو اکیلا نہیں کرتے

☆

ربیع ثانیؒ

اپنے لہو کی بوند سے رخشندہ کر گیا
بنجر زمیں کو کون یہ تابندہ کر گیا

آمد نے کس کی رنگ زمانہ بدل دیا
کون و مکاں کو کون یہ تابندہ کر گیا

کس کے لہو سے آج بھی روشن ہیں مشعلیں
ظلمت کدے کو کون درخشندہ کر گیا

میں نے جسے ستایا تھا جی بھر کے دوستو
مجھ کو معاف کر کے وہ شرمندہ کر گیا

پہلے تو میری ذات میں کچھ لایا انقلاب
پھر جاتے جاتے اپنا نمائندہ کر گیا

زخم غم و الم نے رلایا اسے بہت
لیکن عطا مجھے وہ لب خندہ کر گیا

کم کم ملا ہے مجھ سے وہ انجم حیات میں
جب بھی ملا ہے وعدۂ آئندہ کر گیا

☆

ربیع ثانیؒ

کچھ لوگ زندگانی کے ایسے سفر میں ہیں
پیہم ہیں تیزگام مگر گھر کے گھر میں ہیں

آتا ہے آتے آتے ہی اہل ہنر میں نام
کہنے کو تو جناب بھی اہل ہنر میں ہیں

آداب کا خیال نہیں ہے ذرا جنہیں
کچھ لوگ تیری بزم کے میری نظر میں ہیں

کیوں کر نہ حصہ خیر کا پاتے کثیر تر
ہم لوگ بھی تو امت خیر البشر میں ہیں

ہم وہ ہیں جو اگاتے ہیں خود اپنا آفتاب
ان میں نہیں ہیں ہم جو امید سحر میں ہیں

ہم کو ہے اپنی کور نگاہی کا اعتراف
منظر ترے جمال کے ہی بحر و بر میں ہیں

میں اپنا حال زار سناتا نہیں ہوں یوں
دن رات زندگی کے تمہاری نظر میں ہیں

وہ صرف جن کو دیکھ لے ان کو شفا ملے
اوصاف کچھ الگ ہی مرے چارہ گر میں ہیں

ملتی ہے جن کے نور سے شمس و قمر کو بھیک
انجم وہ ضوفشاں مرے قلب و جگر میں ہیں

☆

ربیع ثانی

کام ایسے ہی زمانے میں نکلتا ہے میاں
کھوٹا سکہ بھی کبھی شان سے چلتا ہے میاں

اس کی باتوں پہ یقیں کون کرے گا کہئے
وہ تو موسم کی طرح رنگ بدلتا ہے میاں

سانپ پھر سانپ ہے پالوگے تو پچھتاؤگے
دودھ پی لیتا ہے اور زہر اگلتا ہے میاں

جس کو خود اس کی نگاہوں نے گرا ڈالا ہو
مشکلوں سے وہ زمانے میں سنبھلتا ہے میاں

اس کی تعبیر کی چنداں نہیں حاجت پڑتی
جاگتی آنکھ میں جو خواب بھی پلتا ہے میاں

خون میں رکھئے حرارت کا تناسب قائم
آنچ دھیمی ہو تو دانہ نہیں گلتا ہے میاں

رونق دہر ترے دل کو نہ بیکل کر دے
ایک بچہ ہی کھلونوں کو مچلتا ہے میاں

ہر حقیقت کا یہی حال ہوا کرتا ہے
وقت آخر ہو تو ٹالے نہیں ٹلتا ہے میاں

سب سے مل جل کے رہا کرنا مگر دیکھ انجم
وقت آنے پہ کوئی اپنا ہی چھلتا ہے میاں

☆

ربیع ثانیؒ

جس کو دیکھو وہ ترے حسن کا شیدائی ہے
ایک عالم ترے جلووں کا تمنائی ہے

کون دیکھے جو مرے زخم کی گہرائی ہے
خود تماشا ہوں مری آنکھ تماشائی ہے

رنج و غم ، درد و الم ، آہ و فغاں ، ہجر و فراق
کارِ الفت کی خبر ہم نے یہی پائی ہے

تازگی اس کی مری عمر سے منسوب رہی
داغِ دل کا مرے اک لالۂ صحرائی ہے

اپنی ہستی کو مٹا یار پہ قرباں ہوجا
شکوۂ درد نہ کر عشق کی رسوائی ہے

رہ گیا پاس مرے بس یہی سامانِ حیات
میں ہوں ، یادیں ہیں تری ، گوشئہ تنہائی ہے

اب بجز تیرے کوئی شے نہیں بھاتی مجھ کو
میری دنیا ترے پیکر میں سمٹ آئی ہے

تجھ سے مل کر کئی احباب مجھے اور ملے
درد سے رشتہ مرا ، غم سے شناسائی ہے

داد خواں ہے مرا فرہاد ، ثنا خواں مجنوں
تیری مرہونِ کرم میری پذیرائی ہے

دشت وصحرا ہوئے سیراب مرے چھالوں سے
کارِ دریا سی مری بادیہ پیمائی ہے

درد میں ڈوب گئے اہل زمیں اہل فلک
دوستو نالۂ انجم میں وہ گہرائی ہے

☆

ربیع ثانؔ

نقش بہتے ہوئے پانی میں بناتے کیوں ہو
دل کو اُس شوخ کے ارماں سے سجاتے کیوں ہو

آنکھ کھلتے ہی بکھر جائے گا تنکوں کی طرح
خواب میں شیش محل کوئی بناتے کیوں ہو

کون سنتا ہے یہاں ، کس کو یہاں فرصت ہے
داستاں اپنی زمانے کو سناتے کیوں ہو

زندگی ہو گئی منسوب جو تاریکی سے
تو اندھیروں میں کوئی شمع جلاتے کیوں ہو

قصہٴ دار و رسن سے تمہیں ڈر لگتا ہے
تو جہانگیر کی زنجیر ہلاتے کیوں ہو

عشق کے واسطے لازم ہے توانا ہو دل
ناتواں دل ہے تو یہ بوجھ اٹھاتے کیوں ہو

کیا تمہیں ظلم و تشدد کے سوا آتا ہے
پھر سمجھ میں نہیں آتا مجھے بھاتے کیوں ہو

جانتے ہو کہ ہیں انجم کی نگاہیں پینی
پھر یوں بے پردہ مرے سامنے آتے کیوں ہو

☆

ربیع ثانیؔ

اس اپنی ''انا'' سے تجھے ''پائی'' نہیں دوں گا
میں خون پسینے کی کمائی نہیں دوں گا

یہ بات الگ موت کی آغوش میں سو جاؤں
قاتل ! میں کسی کی بھی دہائی نہیں دوں گا

خاموش کھڑا ہوں تو یہاں حشر بپا ہے
بولوں گا تو دنیا کو سنائی نہیں دوں گا

جو اہل نظر ہیں وہ مجھے دیکھ رہے ہیں
میں کور نگاہوں کو دکھائی نہیں دوں گا

کیا چاہیئے دنیا تجھے اس دل کے سوا مانگ
حق مجھ کو نہیں چیز پرائی نہیں دوں گا

ہاں میں نے وفا کی ہے، خطا ہے، تو سزا دو
اس جرم کی میں کوئی صفائی نہیں دوں گا

چاہت بھری نظروں میں سما جاؤں گا انجم
نفرت بھری نظروں کو سجھائی نہیں دوں گا

☆

ربیع ثانیؒ

ابھی ٹہلتا ہوا میں اُدھر سے آیا تھا
ملامتوں کا یہ پتھر جدھر سے آیا تھا

کسے خبر تھی کہ حالات یوں رلائیں گے
ابھی میں ہنستا ہوا اپنے گھر سے آیا تھا

یہ ایک شعلہ جو پھیلا ہوا فضا میں ہے
دھواں تھا جب مرے سوزِ جگر سے آیا تھا

جگا دیا ہے فرشتوں نے اتنی جلد مجھے
خبر بھی ہے انہیں ، میں کس سفر سے آیا تھا ؟

وہ پاکبازوں کا آلودہ کر گیا دامن
غبارِ دل جو مری چشم تر سے آیا تھا

مقدرات نے پھر باندھا میرا رخت سفر
ابھی میں لوٹ کے غم کے سفر سے آیا تھا

جو چاہتا تھا وہ سب کچھ مجھے ملا انجم
جبیں جھکا کے ترے سنگ در سے آیا تھا

☆

ربیع ثانیؔ

کیا تمازت نے بھی یہ جامۂ سادہ اوڑھا
تپ گیا جسم تو بادل کا لبادہ اوڑھا

دور سے ہی نظر آتا ہے تصنع اس کا
جس نے اپنے قد و قامت سے زیادہ اوڑھا

اوڑھ لی جب سے فضاؤں نے ہوائے مسموم
جسم پر میں نے بھی تب عزم و ارادہ اوڑھا

جب نظر آئی اسے شکل تمنا میری
اس کے ہونٹوں نے وہی کل کا ہی وعدہ اوڑھا

جب ہوا اس کا دہن مجھ پہ برہنہ گفتار
میں نے تب ہونٹوں پہ پیمانۂ بادہ اوڑھا

جب سے ہر راہ پہ بوسیدہ لباسی دیکھی
میں نے بھی پاؤں پہ انجم نیا جادہ اوڑھا

☆

ربیع ثانیؔ

آنسو بہے تو چہرۂ زخمِ جگر کھُلا
اس خستہ حال ذات کا عیب و ہنر کھلا

فریاد بارہا مری جا جا کے لوٹ آئی
لیکن کسی بھی طرح نہ بابِ اثر کھلا

بکھرے ہیں میری فکر کے اوراق ہر طرف
میرے ہنر کا عیب بہ شکل دگر کھلا

پوچھے جو کوئی غیر تو میں کیا جواب دوں
پھرتا ہے خط لئے ہوئے یوں نامہ بر کھلا

میں نے ہی سیرگاہ بنایا جہان کو
میرے لئے ہی گنبد بے در میں در کھلا

موقع کا ہے تقاضا زباں سے بھی کچھ کہیں
ورنہ ہمارا حال ہے سب آپ پر کھلا

ہر شخص نے پڑھا اسے اپنی بساط بھر
مفہوم زندگی کا ہمیں پر مگر کھلا

انجم تمہاری کور نگاہی کا ہے قصور
ہر ایک پر ہے اس کی عنایت کا در کھلا

☆

ربیع ثانیؒ

لہو کی بوند سے بھر دوں میں جام عہد و پیماں کو
ذرا تسکین تو ہو جائے گی اس تشنۂ جاں کو

سبب مت پوچھ تو مجھ سے مرے حالِ پریشاں کا
رفوگر ہو سکے تو سی مرے چاکِ گریباں کو

طلب کے راستے میں تھی رکاوٹ آبلہ پائی
دعائیں دے رہا ہوں دل سے میں خارِ مغیلاں کو

پڑا رہنے دے اک گوشے میں مجھ کو رونق محفل
کہیں تکلیف دیتا ہے کوئی دو دن کے مہماں کو

اسی سے تو برسنے کا سلیقہ تونے سیکھا ہے
دعا دے ابر باراں اب تو میری چشم گریاں کو

اگر گلشن میں رونق ہر طرح مقصود ہے تم کو
منا لاؤ بہارو ! جا کے میرے گل بداماں کو

اب اے انجم ! جہاں سے کوسِ رحلت بجنے والا ہے
اٹھو تیار کر لو تم بھی اپنے ساز و ساماں کو

☆

ربیع ثانیؒ

اگر وہ ہم کو ذرا سا اک دن محبتوں سے پکار لیتے
تو ہم بھی اپنی وفا کا صدقہ ہزار جاں سے اتار لیتے

انہیں تو خدشہ لگا ہوا تھا قرین ساحل بھی اک بھنور کا
جو سر ہی کرنا تھا معرکہ کچھ تو کشتیوں کو اتار لیتے

بغیر ان کے تو صحن گلشن بھی کاٹ کھانے کو دوڑتا ہے
اگر ہمارے وہ ساتھ ہوتے تو لطف فصل بہار لیتے

جو کاش تھوڑا عروج پاتی محبتوں کی یہ ادلا بدلی
میں ان کے ناز و ادا اٹھاتا وہ میرا صبر و قرار لیتے

یہ آرزو تھی یہ تھی تمنا ، کبھی ہم اتنا قریب ہوتے
ہماری آنکھوں کے آئینے میں وہ اپنی زلفیں سنوار لیتے

کبھی تو انجم وہ سامنے سے گزرتے بادِ صبا کی صورت
ہم ان کی اک اک ادا کے گل سے یہ دل کا گلشن نکھار لیتے

☆

ربیع ثانیؒ

ہماری فکر تھی تاج سحاب ہو کے رہی
مگر زمین پہ خانہ خراب ہو کے رہی

ہوا کے رخ بھی بدلتا رہا ہے کوئی ادھر
مگر یہ ذات مری آفتاب ہو کے رہی

مرے خیال میں تصویر تیری ابھری تھی
جو نیند روٹھی تو مبہم سا خواب ہو کے رہی

ہوائیں لے اڑیں اوراقِ زندگی میرے
متاعِ زیست مری بے نقاب ہو کے رہی

ہماری بات کا وہ کچھ جواب دے نہ سکے
وہ لاجواب تھی اور لاجواب ہو کے رہی

جہاں جہاں پہ گریں میرے خون کی بوندیں
کلی کلی وہیں کھل کر گلاب ہو کے رہی

رہِ سخن میں بڑے پیچ و خم تھے اے انجمؔ
ہماری کاوش و کد کامیاب ہو کے رہی

☆

ربیع ثانیؔ

ورق پر نقش ماضی کی نمایاں جھلکیاں کیوں ہیں
کتاب زندگی میں درد کی گہرائیاں کیوں ہیں

کبھی تم خود ہی میرے ذکر پر شرما گئے ہوگے
یہ میرے نام کی چاروں طرف رسوائیاں کیوں ہیں

کبھی سوچا ہے تم نے اے ہوا پر تیرنے والو
بدلتے وقت کے ہاتھوں میں یہ بیساکھیاں کیوں ہیں

کہیں یہ تو نہیں انگڑائی وہ لیتے ہوں اس جانب
پسِ دیوار یہ ابھری ہوئی پرچھائیاں کیوں ہیں

تو کہہ دیتا ہے اپنا رازِ دل اپنی اداؤں سے
ہوا معلوم ہونٹوں پر ترے خاموشیاں کیوں ہیں

یہ باتیں ہیں مشیت کی انہیں چھوڑو یہیں انجم
لب ساحل ہی آخر ڈوبتی یہ کشتیاں کیوں ہیں

☆

ربیع ثانیؒ

لبوں پر ہے تبسم اور آنکھوں میں سمندر ہے
چھلک جائے نہ یہ آنسو، جو طوفاں کے برابر ہے

مجھے یارب رہِ اخلاص میں ثابت قدم رکھنا
عدو ہیں دوست اور احباب کے ہاتھوں میں خنجر ہیں

در و دیوار بوسیدہ ، دریچے کھا گئی دیمک
بایں صورت نمایاں ساری بستی سے مرا گھر ہے

وہ آئینہ ہوں پاس آئے تو خود کو جان جاؤ گے
عیاں ہو جائے گا سب کچھ، جو اندر ہے، جو باہر ہے

نجانے کیوں زمانہ مجھ سے کتراتا ہے ملنے سے
نہ زہر آلود آنکھیں ہیں نہ باتوں میں ہی نشتر ہے

ہے میرے پاس بھی احساس سے پُر ایک زندہ دل
مگر وہ کیوں سمجھ لیتے ہیں انجم ایک پتھر ہے

☆

ربیع ثانیؔ

دلوں کا چین ، نظر کا قرار آئے گا
سنا ہے آج وہ جانِ بہار آئے گا

یہ نقش پا ہے ، اسے رہنما سمجھ لیجے
یہاں سے گزرے ، تو میرا دیار آئے گا

وفا کے باب میں جب بھی کسی کے ہونٹ کھُلے
حسین نام بصد افتخار آئے گا

کھِلے ہیں پھول تو بے رنگ، بلبلیں خاموش
اب اور کون سا دورِ بہار آئے گا

ادھیڑیے نہ اسے پیرہن ہے قاتل کا
لہو میں ڈوبا ہوا تار تار آئے گا

بدل کے بھیس کرے گا نہ اب مدد کوئی
عمر سا اب نہ کوئی شہریار آئے گا

پلٹ دو وقت کے رخ سے نقاب اے انجمؔ
یہ موقع ہاتھ نہ پھر بار بار آئے گا

☆

رُبیع ثانیؔ

اے کاش ختم ہو یہ گھڑی انتظار کی
اک آرزوئے دید ہے جانِ بہار کی

اب عضو عضو ہے مرا اس ضبط کے خلاف
یہ بات اب رہی نہ مرے اختیار کی

دیکھو قفس کو میں نے گلستاں بنا لیا
بلبل ہوں میں نے پائی ہے فطرت بہار کی

سچ ہے یہ بات ، فطرت و عادت میں فرق ہے
ان کو بدل نہ پایا میں ، کوشش ہزار کی

ان کو انا پہ ناز، خودی پر مجھے غرور
ان کو پڑی ہے فخر کی ، مجھ کو وقار کی

اتنا ضرور کہنا صبا ان کے کان میں
حالت عجیب تر ہے ترے سوگوار کی

دونوں کے درمیان ہی پستا ہے آدمی
اک سل ہے اس میں جبر کی اک اختیار کی

تم کو گلہ ہے اُن سے ، مجھے اُن سے ہے امید
انجم الگ ہے بات مرے اعتبار کی

☆

ادبستان عزیزیہ نوابیہ پبلیکیشنز

ربیع ثانیؒ

چھو نہ پائیں جنہیں شدتیں دھوپ کی
وہ بھلا جانیں کیا لذتیں دھوپ کی

اہل ثروت کرم کو ترستے رہے
مفلسوں کو ملیں برکتیں دھوپ کی

سرد راتیں بھی ان کی سکوں سے کٹیں
جو سموتے رہے حدتیں دھوپ کی

تیرگی فکر پر ان کی چھائی نہیں
ذہن میں جن کے تھیں جدتیں دھوپ کی

تجربوں کی وہ بھٹی میں کندن بنے
جن پہ آتی رہیں کلفتیں دھوپ کی

بستیاں جن کی ہیں برف کے دیش میں
ان سے پوچھے کوئی عظمتیں دھوپ کی

چھوڑو انجم یہ کیا لے کے بیٹھے ہو تم
ناپ پاؤ گے کیا وسعتیں دھوپ کی

☆

رُبیع ثانیؒ

عشق بتاں میں راہِ طلب پر کوئی اگر مر جائے تو
مرتے سب ہیں مرجانے دو، مرکر چین نہ پائے تو

آج وہ آئے تو دکھلادوں اس کو جلوے وحدت کے
اپنی آن سے اوپر اٹھ کر واعظ سامنے آئے تو

راہِ وفا میں ہوش و خرد کی مشعل کام نہیں آتی
کیا دوگے ؟ مجھ ایسا پاگل یہ منزل پا جائے تو

زعم میں اپنے جانے کیا کیا تبصرے کرتے رہتے ہو
کیا ہو اگر تم کو دیوانہ آئینہ دکھلائے تو ؟

ناگ ہے انجم زلف جاناں یا مکڑی کا جال ہے یہ
سانس نہ لے گا اس کے چنگل میں کوئی پھنس جائے تو

☆

ربیع ثانیؒ

یہ ہی کار خیر تیرے نام پر کرتے رہے
خدمت خلق خدا ہم عمر بھر کر تے رہے

وہ تو اوروں پر توجہ کی نظر کرتے رہے
اور ہم اشکوں سے دامن اپنا تر کرتے رہے

منزلیں منسوب کر لیں اس نے اپنے نام سے
ہم غبارِ کارواں پر ہی نظر کرتے رہے

ہم نے سمجھائے تھے جن کو زندگی کے پیچ وخم
وہ ہماری زندگی کو مختصر کرتے رہے

ہم بھی ان میں سے ہیں اے چارہ گرانِ دہر جو
تا دم آخر علاجِ چارہ گر کرتے رہے

راستے بنتے گئے بنتی گئی پھر شاہراہ
خارزاروں کو ہم اپنی رہ گزر کرتے رہے

سعی لا حاصل نہ کہئے خدمت بے لوث ہے
پھل نہ ہاتھ آئے شجر کاری مگر کرتے رہے

منزلیں آتی رہیں، بڑھتے رہے اپنے قدم
ایک نقش پا نظر میں تھا، سفر کرتے رہے

اس طرح بڑھتا گیا میری نظر کا دائرہ
ان کے جلوے تھے جو مجھ کو دیدہ ور کرتے رہے

یاد میں لاتے رہے تیرے کرم کی برکتیں
کاوشِ دورِ زماں کو بے اثر کرتے رہے

اس طرح بنتا گیا مسکن ہمارا کل جہاں
خانۂ پندار کو زیر و زبر کرتے رہے

دور وہ بھی دن نہیں انجم کہ ہوں گے مقتدیٰ
اقتدا اپنے صنم کی ہم اگر کرتے رہے

☆

ربیع ثانیؔ

اک اک تنکا ایک نشیمن
اک اک دانہ اک اک خرمن

کیسا شکوہ کیسی الجھن
آنسو میرے ، ان کا دامن

ظلمت پھیلی آنگن آنگن
کب اٹھے گی رخ سے چلمن

جس پر عاشق سارا عالم
ایسا سجیلا میرا ساجن

اس کی مرضی ، میری مرضی
اس کے حوالے میرا جیون

میرا اپنا کچھ بھی نہیں ہے
سونپ چکا ہوں اس کو تن من

آس کا پنچھی بیکل حیراں
حسن کا جلوہ چلمن چلمن

دیکھ سکوں میں اپنا چہرہ
سامنے رکھ دے روپ کا درپن

اس کی باتیں مان لو انجمؔ
جان ہی لے گی اس کی اَن بن

☆

ربیع ثانیؒ

اسی کو جانِ عبادت شمار کرتے ہیں
قدم پہ ان کے جو سجدے ہزار کرتے ہیں

انہیں کے قول و تکلم سے پیار کرتے ہیں
ہم اپنے شیخ پہ یوں اعتبار کرتے ہیں

ہمارا جو بھی ہے ان کا ہے کیا کریں رکھ کر
انہیں کے قدموں پہ ہستی نثار کرتے ہیں

مجھی کو مجھ سے ملاکر چلے گئے ہو کہاں
چلے بھی آؤ بہت انتظار کرتے ہیں

انہیں کے در پہ پلے ہیں پلیں گے آگے بھی
انہیں کی ذات پہ ہم انحصار کرتے ہیں

تمہیں جو سامنے دیکھیں قرار آجائے
تمہارے جلوے بہت بے قرار کرتے ہیں

زمانے بھر میں سجاتے ہیں محفلیں انجم
اور ان کا ذکر بصد افتخار کرتے ہیں

☆

ربیع ثانی

وہ جیسا حسیں ہے کوئی ویسا تو نہیں ہے
یہ حق ہے مری فہم کا دھوکا تو نہیں ہے

ہر گام جبیں میری جھکی جاتی ہے کیونکر
یہ ان کا کہیں نقش کف پا تو نہیں ہے

اس درجہ ہیں چہرے پہ مرے غم کی خراشیں
وہ شخص مجھے دیکھ کے ڈرتا تو نہیں ہے

بدنام زمانہ اسے کہتی رہی دنیا
کہنا ہے ترا ، عام یہ چرچا تو نہیں ہے

آ آ کے سنا جاتا ہے کیوں اپنا وہ ہر غم
اس شخص سے پچھلا کوئی رشتہ تو نہیں ہے

ہاتھوں میں نہ پڑھ اپنے مقدر کی لکیریں
ہاتھوں میں مقدر ترا لکھا تو نہیں ہے

ہوگا وہی بہتر کہ جو منظور خدا ہے
جو سوچ لے انساں وہی ہوتا تو نہیں ہے

دل کہتا ہے سجدہ مرا ایمان ہے انجم
سجدہ ہے وہی جبکہ وہ سجدہ تو نہیں ہے

☆

ربیع ثانیؒ

دوست کے نام سے جو پکارے گئے
پیٹھ میں وہ ہی خنجر اتارے گئے

مرتبہ ان کو منصور کا مل گیا
سر صلیبوں پہ لیکن ہمارے گئے

عزم محکم ہوا جب مرا ہم سفر
ساتھ ہی ساتھ میرے کنارے گئے

جب تلک وہ رہے بزم میں جلوہ گر
ہم محبت کے صدقے اتارے گئے

شہرتیں مل گئیں ان کو خیرات میں
ہم تکلف میں مارے گئے

چل دیئے آپ بھی ہم سے منھ موڑ کر
اب تو ہاتھوں سے اپنے سہارے گئے

حسن جاناں کا صدقہ جو بٹنے لگا
ماہ و انجم بھی دامن پسارے گئے

وہ بھی کیا لوگ تھے جو بنام وفا
ہر خوشی زندگانی کی وارے گئے

وہ محبت سے پر ہیں وفا سے بھرے
جو صحیفے زمیں پر اتارے گئے

ہم تو بگڑے مقدر کی زلفوں کے خم
نام لے لے کے تیرا سنوارے گئے

کھینچ کر ہم کو لائے جو سوئے چمن
دور نظروں سے اب وہ نظارے گئے

جس طرف وہ گئے ایک انجم ہی کیا
جو تھے حق والے سارے کے سارے گئے

☆

ربیع ثانیؔ

ہیں عصر جدیدہ کے جو حالات شکستہ
ہر شخص ہے بکھرا ہوا ہر ذات شکستہ

جس چہرے کو دیکھوں یہ نظر آتا ہے مجھ کو
دل ٹوٹا ہوا ہے تو خیالات شکستہ

پروردہ ہوں میں بھی انہیں حالات کا لوگو
نکلے گی مرے منھ سے بھی ہر بات شکستہ

اے طعنہ زنو ! اتنا تو تم کو بھی پتہ ہے
کر دیتے ہیں انسان کو صدمات شکستہ

اب اور کہاں جائیں سکوں پانے جہاں میں
دن زخمی کئے رہتے ہیں اور رات شکستہ

ہم کیسے مقدر کی یہ تحریر مٹائیں
بس ہم کو ملے ہیں یہی دو ہاتھ شکستہ

ہر طرح سے قدرت نے نوازا ہے انہیں کو
ہر طرح سے جن کے ہیں نظریات شکستہ

اُن کی بھی زمانے میں کوئی قدر نہیں ہے
انجم جو ملے ہیں مجھے جذبات شکستہ

☆

ربیع ثانی

با حال زار گردش ایام دیکھئے
کچھ بھی نہیں رہا کہ لب بام دیکھئے

منظر وہ دلخراش جو لمحے پہ تھا گراں
ہر صبح دیکھئے وہی ہر شام دیکھئے

ہمدرد بن کے جو بھی ہوا میرا ہمنوا
ٹھہرا ہے وہ بھی مورد الزام دیکھئے

ہر لمحہ کربناک ہے ہر لحظہ دلخراش
ہوتا ہے عاشقی کا یہ انجام دیکھئے

رہئے گر اپنے عزم مصمم پہ کاربند
منزل شناس اپنا ہر اک گام دیکھئے

دے کر تو دیکھئے ذرا اس دل کو اپنا عشق
کیسے حرام ہوتا ہے آرام دیکھئے

بس اک نگاہ ڈالئے میرے وجود پر
ملتا ہے کیا وفاؤں کا انعام دیکھئے

انجم ہیں سب کے ہاتھ میں پتھر چھپے ہوئے
آئینہ پیش کرنے کا انجام دیکھئے

☆

نوابیہ عزیزیہ دبستان پبلیکیشنز

ربیع ثانؒ

محشر ہے موج موج قیامت بھنور میں ہے
سانسوں کا میری پھر بھی سفینہ سفر میں ہے

لفظوں کی رہ گزر سے مجھے منزلیں ملیں
سوچوں کا قافلہ تو ابھی رہ گزر میں ہے

طے ہو رہی ہے ان کی رفاقت میں راہ عمر
فطرت بھی میرے ساتھ مسلسل سفر میں ہے

میں نے تو اپنی ناؤ بھنور میں اتار دی
الجھی یہ کائنات ابھی خیر و شر میں ہے

اے وقت میں ہوں تجھ سے بھی دو چند تیز گام
آئندہ لمحہ لمحہ بھی میری نظر میں ہے

گردش کی دست برد سے ایماں بچا رہا
شکر خدا یہ چیز ابھی گھر کی گھر میں ہے

قوت مرے قلم میں زباں ہے رواں دواں
فن میں شگفتگی ہے بشاشت ہنر میں ہے

ہر درد کا علاج ہے اک جنبش نظر
اوروں میں وہ کہاں جو مرے چارہ گر میں ہے

کرتا ہے اک اشارے سے ذرے کو آفتاب
صدقہ اسی کا ہے جو یہ انجم خبر میں ہے

☆

ربیع ثانیؒ

لباس ماتمی پہنے ہے رات کا عالم
برنگ مرگ ہے میری حیات کا عالم

گئی ہے جب بھی ادھر سے غموں کی شہزادی
اثر پذیر ہوا میری ذات کا عالم

ہوا ہے جب سے خنک اس نگاہ کا موسم
بدل رہا ہے مری کائنات کا عالم

خرد سمجھنے سے قاصر ہے نطق حیرت میں
نہ پوچھ ان کے حمیدہ صفات کا عالم

محیط ہے وہی لمحہ حیات پر میری
نہ بھول پاؤں گا اس التفات کا عالم

سن آسمان کرامت سن آفتاب کمال
ہے مشتہر ترے رخ سے نجات کا عالم

ملا تھا کیا تمہیں انجم سا کوئی دیدہ دلیر
نمایاں اب بھی ہے چہرے سے مات کا عالم

☆

ربیع ثانؔ

زخم دل لے کے جب بھی گزر جائیں گے
راستے زندگی کے نکھر جائیں گے

وقف کردی ہے صیاد کو زندگی
اب قفس سے مرے بال و پر جائیں گے

تیری چشم کرم سے جو محروم ہیں
ٹھوکریں کھائیں گے در بدر جائیں گے

دیکھنا آئیں گے جب لب بام وہ
جان سے کتنے شوریدہ سر جائیں گے

جب سنوگے مرا قصۂ درد و غم
خشک آنکھوں میں پھر اشک بھر جائیں گے

پھر وہ آئے ہیں معصوم چہرہ لئے
سارے الزام پھر میرے سر جائیں گے

حسن کی یوں بھی ہے دھاک بیٹھی ہوئی
ہوگا عالم اُدھر وہ جدھر جائیں گے

اُس نے آواز دی ہے مجھے بزم میں
دیکھنا کتنے چہرے اتر جائیں گے

یاد رکھے گا انجم زمانہ ہمیں
کام دنیا میں ہم ایسا کر جائیں گے

☆

ربیع ثانی

ہمیں بھی آتا ہے خدمت میں آرزو رکھنا
انہیں بھی آتا ہے جذبوں کی آبرو رکھنا

سراپا ان کا عبارت ہے پاک بازی سے
جب ان کو سوچنا فکروں کو باوضو رکھنا

انہیں کو سوچتے رہنا ، انہیں کی یادوں سے
دماغ و فکر کو مصروف گفتگو رکھنا

ہمیشہ کرنا مکمل بصارتوں کی تلاش
نگاہ و دل کو بھی پابند جستجو رکھنا

ہے گوشے گوشے میں بکھرا ہوا وہی جلوہ
رہِ وفا میں نظر اپنی چار سو رکھنا

مجھے یقیں ہے وہ باز آئیں گے تغافل سے
تم اپنا موقف ہستی بھی دو بدو رکھنا

بدلتا رہتا ہے ان کا مزاج رہ رہ کر
انا کو اپنی بہرحال سرخرو رکھنا

ہر ایک چہرہ نہیں آئینہ پذیر انجم
سنورنے والے ہی چہروں کے روبرو رکھنا

☆

ادبستان عزیزیہ نوابیہ پبلیکیشنز

ربیع ثانیؒ

دل میں مرے وہ جانِ بہاراں ہے آج کل
ہر گوشہ اِس کا خلد بداماں ہے آج کل

کیسے تعلقات کہاں کی رفاقتیں
سایے سے بھی وہ میرے گریزاں ہے آج کل

آثار کہہ رہے ہیں قیامت قریب ہے
ہم سن رہے ہیں یہ وہ پشیماں ہے آج کل

کیا چاہئے بتا تو سہی اے غم حیات
ہاتھوں میں میرے ملک سلیماں ہے آج کل

فرقت کی تیغ ، خنجرِ غم ، تیشۂ خیال
جاں کندنی کا بس یہی ساماں ہے آج کل

بے حد مہیب و تار ہے بے انتہا دراز
گیسوئے یار سی شب ہجراں ہے آج کل

کیا جانے کب وہ پھر کسی الجھن میں ڈال دے
انجم خود اپنے دل سے ہراساں ہے آج کل

☆

ربیع ثانی

کہیں رکے تو کہیں تیز گام سے الجھے
الجھنے والے بھی کس کس مقام سے الجھے

قفس کے تار سے اک جنگ ہو رہی ہے ابھی
کچھ اہل دل تری زلفوں کے دام سے الجھے

وہ تیرہ شب میں جو نکلے تھے روشنی کے لئے
قدم قدم پہ اندھیروں کے نام سے الجھے

وہ دیکھنے کے تھے اندازِ برہمی ان کے
چراغ پا تھے کہ اپنے ہی گام سے الجھے

وفا کی راہ میں جب سخت مشکلیں آئیں
امیر قافلہ اپنے مقام سے الجھے

دھواں دھواں ہوئے خوابوں کے منظر اے انجم
طلوع صبح وہ اس اہتمام سے الجھے

☆

ربیع ثانی

آ سکے کام نہ جذبے جھوٹے
خواب بنتے رہے سچے جھوٹے

روش عقل نہ تبدیل ہوئی
فکر کے سارے نتیجے جھوٹے

آزمودہ ہے یہ سچائی بھی
وقت پر نکلے ہیں رشتے جھوٹے

زندگی تیری بقا کی خاطر
لکھنے پڑتے ہیں قصیدے جھوٹے

شان سے کیسے بسر ہوتی تھی
ہم ہوا کرتے تھے پہلے جھوٹے

پیش کرنا ہے اگر سچ تم کو
تم بھی اپناؤ طریقے جھوٹے

آج اظہار صداقت کے لئے
کام آتے ہیں وسیلے جھوٹے

دیکھ لو خود کو سمجھ جاؤگے
کتنے سچے رہے کتنے جھوٹے

ہم کو چلنا ہی نہ آیا انجمؔ
ورنہ سب رستے نہیں تھے جھوٹے

☆

ربیع ثانیؔ

راز یہ کھلا ہم پر اس نئے زمانے سے
لوگ روٹھ جاتے ہیں آئینہ دکھانے سے

دوستی میں ہوتا ہے ایک رشتۂ نازک
دوستوں کو کھو دوگے روز آزمانے سے

میں ہی بس کھٹکتا ہوں آسماں کی آنکھوں میں
بجلیوں کو الفت ہے میرے آشیانے سے

باندھ ٹوٹ جائے گا سیل اشک مت روکو
درد کم نہیں ہوتا زخم دل چھپانے سے

خواب میں بھی لوگوں کو اتنا مل نہیں پاتا
جتنا مجھ کو ملتا ہے آپ کے خزانے سے

تیری مست آنکھوں سے مست ایک عالم ہے
ایک جام مجھ کو بھی اس شراب خانے سے

یاد ان کی باقی ہے ، وہ نہیں تو کیا غم ہے
دل کو چین ملتا ہے اُن کی یاد آنے سے

بارشوں میں بنتی ہے چھت بھی ابر کا حصہ
دھوپ چھن کے آتی ہے میرے شامیانے سے

زندگی نہیں کٹتی یوں اسیر غم ہوکر
راستے نکلتے ہیں راستہ بنانے سے

کون آگیا دل میں صورت خیال انجم
آ رہی ہے بوئے گل اس غریب خانے سے

☆

ربیع ثانیؒ

اب کہاں وہ کھِلے کھِلے چہرے
ہر طرف ہیں بجھے بجھے چہرے

ڈھونڈتی ہی رہی نظر نہ ملے
رشک جنت ہرے بھرے چہرے

رعب تھا میری تیز نظروں کا
راز دل سارا کہہ گئے چہرے

کرب دل ہے ترے تبسم میں
دل کے ہوتے ہیں آئینے چہرے

ہم نے پلٹے ورق جو ماضی کے
ذہن میں تھے مٹے مٹے چہرے

ہم نے دل کی سنی ہے سرگوشی
ہم نے دیکھے ہیں بولتے چہرے

گرد نفرت سے دل ہیں آلودہ
زیب الفت سے ہیں اٹے چہرے

لب سے تمہید بھی نہ ہو پائی
اور کہانی سنا گئے چہرے

شدت گرمیٔ نظر ہے عجب
دیکھئے تمتما اٹھے چہرے

عشق بیچارہ اک زباں جانے
سو زبانوں سے ہیں بھرے چہرے

ہیں مسرت کی صورتیں لاکھوں
غم کے بھی ہیں نئے نئے چہرے

جن کو دل سے نمو ملی انجم
سرخ رو بس وہی رہے چہرے

☆

ربیع ثانیؒ

خود اٹھاتا رہا ہر قسم کی مشکل تنہا
درد کے آگے رہا سینہ سپر دل تنہا

راہ پر خار نظر آئی تو سب لوٹ گئے
ہم نے طے کی ہے محبت کی یہ منزل تنہا

دھوپ اوڑھے ہوئے ہم رخت سفر باندھ چلے
سائبانوں میں رہے وہ سر محفل تنہا

زیست کی راہ میں اک راہنما بھی رکھیۓ
ورنہ طے ہو نہ سکیں گے یہ مراحل تنہا

ہم رہے غرقِ تاسف تہہ گردابِ بلا
وہ رہے غرق تحیر لب ساحل تنہا

ان کو سائے میں رکھا جسم کو دیوار کیا
تپش غم کے رہے ہم ہی مقابل تنہا

کرب ماضی ، ستم حال ، جفائے فردا
کیسے سلجھائے کوئی اتنے مسائل تنہا

ہم نوا ہو کوئی ، یادوں کی رفاقت ہی سہی
عمر کٹتی نہیں اے انجم بسمل تنہا

☆

ربیع ثانیؒ

ہماری زیست کا عبرت بھرا نظارا تھا
بھنور میں ناؤ تھی اور سامنے کنارا تھا

زبانِ رنگ سے تونے مجھے پکارا تھا
نوائے گل ترے لہجے کا استعارہ تھا

نظر کے کان سے سنتے تھے ہم شکایت دل
تکلمات سے لبریز ہر اشارا تھا

بنام عہد رفاقت بنام دل جوئی
جو ناگوار تھا وہ بھی ہمیں گوارا تھا

تمام عمر اٹھائے پھرے ہیں لاش اپنی
سبب یہ تھا کہ ہمیں زندگی نے مارا تھا

یہی ہے رسم زمانہ ، گلہ نہیں تم سے
جو آج غیر کا حق ہے کبھی ہمارا تھا

یہ اور بات تمہیں نے کیا نظر انداز
خدا گواہ یہ انجم سدا تمہارا تھا

☆

ربیع ثانی

نہ خضر نے نہ کسی رہنما نے ساتھ دیا
جنوں تھا سر میں ترے نقش پا نے ساتھ دیا

بکھیر دیتیں مجھے ورنہ الٹی تعبیریں
شکست خواب کا میری انا نے ساتھ دیا

بھٹکتا پھرتا میں بے چہرگی کا داغ لئے
ہوئی یہ خیر رخِ آئینہ نے ساتھ دیا

خلوص دل سے رہا منہمک جفاؤں میں
وفا کی راہ میں اک بے وفا نے ساتھ دیا

مری امید کے غنچے کبھی نہ کھِل پاتے
کسی کے دست کرم کی ہوا نے ساتھ دیا

دیارِ غیر میں میرا جھلس گیا تھا وجود
ترے دیار کی آب و ہوا نے ساتھ دیا

رہِ حیات بھری تھی ہماری کانٹوں سے
قدم قدم پہ تمہاری دعا نے ساتھ دیا

مرے قدم بھی بہکنے لگے تھے اے انجم
خیالِ یار کی مبہم صدا نے ساتھ دیا

☆

(نظم)

ربیع ثانی

نوید صبح لئے کوئی حق شناس آئے
خدا کرے یہ نیا سال سب کو راس آئے

گلوں کا خاص نگہباں کوئی مقرر ہو
ہمارے غنچہ و گل سے فضا معطر ہو
خدائے پاک کچھ ایسی فضا میسر ہو
خزاں کا خوف نہ اہل چمن کے دل پر ہو
بہار گلشن ہستی میں بے ہراس آئے
خدا کرے یہ نیا سال سب کو راس آئے

وفا خلوص سے احباب میں ڈھلے دشمن
نہ اجڑے گود کسی کی نہ سونا ہو آنگن
دلوں کے شہر میں داخل نہ ہو سکے ان بن
گلِ خلوص سے سب کا بھرا رہے دامن
جو فرد فرد کی گفتار میں مٹھاس آئے
خدا کرے یہ نیا سال سب کو راس آئے

دلوں میں یادِ خدا کا ورود ہر دم ہو
لبوں پہ پیارے نبی کا درود ہر دم ہو
خیال طاعت رب ودود ہر دم ہو
اور اہتمام رکوع و سجود ہر دم ہو
خیالِ فتنہ نہ ذہنوں کے آس پاس آئے
خدا کرے یہ نیا سال سب کو راس آئے
گرے کہیں کوئی مندر تو دکھ ہو مومن کو
شہید ہو کوئی مسجد تو غم برہمن کو
کوئی بھی برق نہ آنکھیں دکھائے خرمن کو
بری نظر نہ لگے اپنے اس نشیمن کو
عدو پہن کے محبت بھرا لباس آئے
خدا کرے یہ نیا سال سب کو راس آئے

☆

(متفرق اشعار)

ربیع ثانیؒ

چہرے کو اپنے رکھ کے ہتھیلی کی رحل پر
کہنے لگے کہ پڑھیئے کلام خدا ہے یہ

ربیع ثانیؒ

جالے پڑے ہوں آنکھ میں یہ اور بات ہے
ایسا نہیں جہاں میں اجالے نہیں رہے

☆☆☆

ATISH E GUL

BY

ANJUM KALIMI NAWWABI

ناشر

آستانۂ عالیہ نوابیہ

قاضی پور شریف، پوسٹ منڈوہ۔ ضلع فتح پور ہسوہ (یو۔پی)۔ 212653

Designed by : Smile Graphics, Kanpur (9455306981)